بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح

نمبر ۲	بابت ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۳۴ھ	جلد ۱۹

ذبح عظیم

سورہ والصافات میں خداوند عالم قصہ حضرت ابراہیمؑ و اسمعیل میں فرماتا ہے فلما بلغ معہ السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تری قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین فلما اسلما وتلہ للجبین ونادینہ ان یا ابراہیم قد صدقت الرویا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین وفدینہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الآخرین سلام علی ابراہیم ۔

جب حضرت اسمعیل ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑنے کی عمر میں پہونچے تو کہا اے بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمکو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہاری کیا رائے ہے اسمعیل نے کہا اے باپ میرے جو حکم ہوا ہے اوسکو بجا لائیے خدا نے چاہا تو آپ ہم کو صابرین سے پائینگے جب دونوں نے حکم خدا کو تسلیم کیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہمنے اون کو پکارا اے ابراہیمؑ تمنے خواب کو سچ کر دکھایا ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیکو کاروں کو یہ ضرور بلاء مبین ہے اور ہمنے ایک بڑی قربانی کو اسکا فدیہ دیا ہے اور پچھلے آنے والوں میں ان کا ذکر خیر باقی چھوڑا سلام ہو ابراہیمؑ پر ۔

تفسیر صافی میں ہے جو تفاسیر معتبرہ شیعہ سے ہے صفحہ ۱۳۵

فی العیون عن الرضا قال لما امر اللہ تعالی ابراھیم ان یذبح مکان ابنہ الکبش الذی انزل علیہ تمنی ابراھیم ان یکون قد ذبح ابنہ اسمعیل بیدہ وانہ لم یومر بذبح الکبش مکانہ لیرجع الی قلبہ ما یرجع الی قلب الوالد الذی یذبح اعز ولدہ بیدہ فیستحق بذلک ارفع درجات اھل الثواب علی المصائب فاوحی اللہ عزوجل الیہ یا ابراھیم من احب خلقی الیک قال یارب ما خلقت خلقا ھو احب الی من حبیبک محمد فاوحی اللہ عزوجل الیہ یا ابراھیم ھو احب الیک او نفسک قال بل ھو احب الی من نفسی قال فولدہ احب الیک او ولدک قال بل ولدہ قال فذبح ولدہ ظلما علی ایدی اعداءہ اوجع لقلبک او ذبح ولدک بیدک فی طاعتی قال یارب بل ذبحہ علی ایدی اعدائہ اوجع لقلبی قال یا ابراھیم ان طائفۃ تزعم انھا من امۃ محمد ستقتل الحسین ابنہ من بعدہ ظلما وعدوانا کما یذبح الکبش ویستوجبون بذلک سخطی فجزع ابراھیم لذلک فتوجع قلبہ واقبل یبکی فاوحی اللہ تعالی یا ابراھیم قد فدیت جزعک علی ابنک اسمعیل لو ذبحتہ بیدک بجزعک علی الحسین وقتلہ اوجبت لک ارفع درجات اھل الثواب علی المصائب وذلک قول اللہ عزوجل وفدیناہ بذبح عظیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

یعنی کتاب عیون اخبار الرضا میں جناب امام رضا ع سے روایت ہے کہ جب خدا نے دنبہ نازل کیا کہ بعوض حضرت اسمعیل اوسکو ذبح کریں تو حضرت ابراہیم نے تمنا کی کہ کاش ہم اسمعیل کو ذبح کئے ہوتے اور دنبہ نہ آیا ہوتا۔ تو ہمارے قلب پر وہ اثر ہوتا جو فرزند کے ذبح سے باپ کو ہوتا ہے جس سے ہم ارفع درجات اہل ثواب کے مستحق ہوتے۔ اوس وقت خدا نے وحی کی کہ اے ابراہیم تمکو تمامی خلائق سے کون زیادہ محبوب ہے۔ عرض کیا تیرے حبیب محمد سے بڑھکر کوئی محبوب ہمکو

نہیں ہے۔ تب وحی ہوئی کہ وہ محبوب زیادہ ہیں یا تیرا نفس۔ عرض کیا بلکہ وہ زیادہ محبوب ہیں۔ پھر وحی ہوئی کہ اون کا فرزند زیادہ محبوب ہے یا اپنا فرزند۔ عرض کیا۔ بلکہ اون کا فرزند۔ پھر وحی ہوئی کہ آیا اونکے فرزند کا دشمنوں کے ہاتھ سے ذبح ہونا زیادہ تمھارے دل کو دکھاتا۔ یا تمھارے فرزند کا تمھارے ہاتھ سے ہماری طاعت میں عرض کیا۔ بلکہ اوس سے زیادہ درد پھونچیگا۔ ادہر وحی نازل ہوئی کہ ایک گروہ امت محمدؐ سے گمان کرتی ہوگی کہ وہ امت محمدؐ سے ہے اور وہ اونکے فرزند حسینؑ کو از راہ ظلم و عدوان قتل کریگی جیسا کہ دنبہ یا بھیڑ ذبح کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی خبر سے حضرت ابراہیمؑ کو بہت صدمہ ہوا اور رونے لگے تب خدا نے وحی کی اے ابراہیم تمھارے قلب کو جو صدمہ پھونچتا۔ ذبح فرزند اپنے اسمعیل سے اوسکو ہمنے بدل دیا تمھارے اس جزع و فزع سے جو تمکو خبر شہادت امام حسینؑ پر عارض ہوا اور تمھارے لئے ارفع درجات اہل ثواب مقرر کیا۔ یہی مطلب ہے قول خداوند عالم وفدیناہ بذبح عظیم کا۔

اس مضمون پر موضع موجو اہڑہ ڈاکخانہ امین آباد تحصیل ہرسہ ضلع حصار سے سوال آیا ہے کہ تفسیر بالرائے ہے اہل شیعہ کے سوا کسی دیگر فرقہ اسلام نے نہیں کی جس سے کہ امام حسینؑ فدیہ حضرت اسمعیل ہوئے ہیں لہذا اگر اسکا ثبوت کتب اہلسنت والجماعت سے ہو سکے تو نہایت انسب ہے "

یہی سوال داعی ہوا کہ ہمنے اس مضمون پر قلم اوٹھایا لیکن سائل کی تسکین کیلئے الطرف معارج النبوۃ کی عبارت کافی ہے جو ملا معین کاشفی کی تصنیف ہے اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں اس سے استدلال کیا ہے۔ یہ کتاب بہت مشہور ہے مطبع منشی نولکشور میں چھپ چکی ہے اوسکا صفحہ ۲۵۵ جلد اول ملاحظہ ہو۔

در روضۃ الصفا از مناہج الطالبین آوردہ است کہ امام جعفر صادقؑ و از آبا کرام خود صلی اللہ علیہم روایت کردہ کہ چون ابراہیم علیہ السلام از ذبح اسمعیل ممنوع شد از حق تعالی تمنی آں مسالت نمود حق تعالی فرمود کہ اے ابراہیم من اسمعیل را

از کشتن صیانت نمودم کہ حامل نور خاتم انبیا است علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیل علیہ السلام خواست کہ از مرتبہ خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآل واصحاب اورا رضوان اللہ علیہم اجمعین بر ابراہیم علیہ السلام عرضہ کردند کہ انہا ہمہ فرزندان اسمٰعیل اند و درمیان اولاد آن سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین بن علی را دید رضی اللہ عنہما و درجات شہادت او مشاہدہ کرد و گفت خداوندا درمیان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم این درجہ کراست خطاب آمد کہ فرزند ارجمند اسمٰعیل راست کہ موسوم بحسین رضی است کہ دخترزادہ رسول آخر الزمان است محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت یارب من اورا دوست تر از اسمٰعیل میدارم حق تعالیٰ فرمود کہ من اورا بفدیہ اسمٰعیل قبول کردم پس بقول جعفر صادق رضی اللہ عنہ مراد بذبح عظیم حسین بن علی است رضی اللہ عنہما و فدیہ اسمٰعیل علیہ السلام اوست نہ کبشی چہ آن بکنتی است کہ اسم نہادہ اند گوسفندی راچہ محل کہ حق تعالیٰ اورا در قرآن ذبح عظیم خواند واللہ اعلم بالصواب -

اس روایت سے اہلسنت کی تین کتابوں کا تو پتہ لگ گیا کہ روضۃ الصفا منہاج الطالبین معارج النبوۃ میں بھی یہ روایت موجود ہے اور یہ کل کتابیں اہلسنت کے تصنیفات سے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴ روضۃ الصفا جلد اول مطبوعہ نولکشور

اصل یہ ہے کہ حضرات اہلسنت میں قدیم الایام سے اکثر حضرات ایسے بھی گذرے ہیں جنکو اہلبیت طاہرین سے اوسی طرح کی محبت کا دعوی رہا ہے جس طرح کہ شیعوں کو ہے لہذا وہ لوگ اون روایتوں کو بے تامل لکھتے ہیں جو ان حضرات کے فضائل و مناقب میں وارد ہیں۔ اور بعض ایسے سخت دل ہیں کہ وہ کسی طرح اون روایتوں کو نہیں لکھتے جو حق اور مطابق واقع ہیں جنکے اوستاد امام بخاری صاحب ہیں۔ اسی لئے انکی جو روایتیں ہوتی ہیں وہ ایسی کاواک اور بے جوڑ کہ ادنے عقل والا انسان بھی سمجھ لیتا ہے یہ روایت بالکل بے جوڑ ہے -

اس ذبح عظیم کے متعلق جو روایتیں تفسیر میں ان سنی نما خارجیوں کی وارد ہوئی ہیں

وہ ایسی ہیں کہ دیکھکر انسان بیخود ہو جاتا ہے کہ کیسی تفسیر ہے۔ تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۶۰ میں ہے۔

واما قولہ عظیم فقیل سمی عظیما لعظمہ وسمنہ۔ وقال سعید بن جبیر حق لہ ان یکون عظیما قد رعی فی الجنۃ اربعین خریفا وقیل سمی عظیما لعظم قدرہ حیث قبلہ اللہ فداء عن ولد ابراہیم۔

پس یہی تین وجہ اوسکے عظمت کی لکھی ہے ایک یہ کہ اوسکی قدر وقیمت بڑی تھی سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اسلئے عظیم کہا کہ اوسنے چالیس فصل خریف جنت کی کھایا تھا (کیا جنت میں بھی فصل ربیع وخریف ہوتی ہے حالانکہ خدا فرماتا ہے لایرون فیہا شمسا ولا زمہریرا نہ اوس میں آفتاب دیکھینگے نہ سردی۔ پھر ربیع وخریف کہاں سے آئی) تیسری وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ وہ فدیہ حضرت اسمعیل ہوا تھا اسلئے عظیم القدر تھا۔ مگر خود خدا کہتا ہے کہ وہ فدیہ عظیم ہے یعنی اوسکی عظمت پہلے سے ہے یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلئے عظیم ہوا کہ فدیہ حضرت اسمعیل ہوا۔

اب اہل اسلام خود غور کریں کہ دنبہ یا بھیڑ یا اونٹ اگرچہ اوسنے سو فصل خریف بھی جنت میں کھایا ہو اس قابل ہو سکتا ہے کہ بمقابلہ حضرت اسمعیل وہ فدیہ عظیم کہا جاسکے۔ کیونکہ انسان عموماً اشرف المخلوقات ہے اور انبیا کی اشرفیت تو اور بھی بڑھی ہوئی ہے پھر کوئی جانور کب اسکی قابلیت رکھ سکتا ہے کہ بمقابلہ حضرت اسمعیل وہ فدیہ عظیم قرار پاسکے حالانکہ خداوند عالم عام طور سے فرماتا ہے احلت لکم بہیمۃ الانعام تمہارے لئے چار پائے حلال قرار دئے گئے۔

تفسیر معالم التنزیل میں ہے صفحہ ۵۹۔

قال مجاہد سماہ عظیما لانہ مقتل وقال الحسین الفضل لانہ کان من عند اللہ وقیل عظیم فی الشخص وقیل فی الثواب وقال الحسن ما فدی اسمعیل الا بتیس من الاروی اہبط علیہ من ثبیر۔

یعنی مجاہد کہتے ہیں وہ اسلئے عظیم کہا گیا کہ ذبح کیا گیا حسین کہتے ہیں اسلئے عظیم

کہا گیا کہ وہ خدا کے یہاں سے آیا تھا اور کہا گیا ہے اسلیئے عظیم تھا کہ بدلہ انکا اور اوسکا بھاری تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ ثواب اوسکا بڑا تھا اور حسن البصری کہتے ہیں کہ ثبیر پہاڑ کا ایک دنبہ تھا جو اوسکے وادی سے اوتارا گیا۔

اب نہ جنت کا نام رہا نہ چالیس خریف جنت کے چرانے کا۔ بلکہ ثبیر پہاڑ کا ایک معمولی دنبہ ہوگیا۔ پھر بتایئے اوسکو کیونکر خداوند عالم بمقابلہ حضرت اسمٰعیل ذبح عظیم کہہ سکتا ہے۔

تفسیر درمنثور سیوطی صفحہ ۲۸۴ جلد ۵ میں بھی یہی روایتیں ہیں جنمیں ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ دنبہ تھا جو حضرت ہابیل نے خدا کی قربانی میں دیا تھا۔ مگر کیا کوئی مسلمان مان سکتا ہے کہ کوئی دنبہ اس قابل ہوسکتا ہے کہ بمقابلہ حضرت اسمٰعیل وہ ذبح عظیم کا خطاب پاسکے کیونکہ حیوان ہر حال میں حیوان ہے وہ کسی بھی انسان سے بھی افضل نہیں ہوسکتا۔

یہیں سے آپ اسکو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جناب امام حسینؑ کا درجہ کیسا اعظم تھا کہ خود خداوند عالم نے بذبح عظیم سے یاد کیا ایک طرف رسول اللہ صلعم کے نسبت فرماتا ہے انک لعلےٰ خلق عظیم۔ دوسری طرف جناب امیرؑ کو عم یتسائلون عن النبأ العظیم فرمایا۔ تیسری طرف جناب امام حسینؑ کو ذبح عظیم فرماتا ہے۔

مولوی ابوالکلام صاحب جو علمائے اہلسنت میں ایک معزز عالم ہیں اپنے رسالہ البلاغ میں جو کلکتہ سے شایع ہوتا ہے ایک بسیط مضمون اسپر لکھتے ہیں جسکا آخری حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۲ سطر ۲

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے خاندان نبوت میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اُن سے علیحدہ ہوگیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی نے اُن سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی لیکن اس دور ابراہیمی میں بیٹے نے باپ کی۔ بی بی نے شوہر کی۔ بھائی نے بھائی کی دعوت حق پر لبیک کی صدا بلند کی۔ اور اس دعوت کی اشاعت میں جو جو مصیبتیں اُنہیں پیش آئیں ان میں باہا

برابر کے شریک رہے۔ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس جہاد روحانی کی طرف قدم بڑھایا اور اپنے شوہر کے ساتھ اپنے لخت جگر کو ایک "وادی غیر ذی ذرع" میں ڈالدیا کہ جہاں کئی سو میل تک آب و گیاہ کا پتہ نہ تھا۔ یہ اسی سخت امتحان کی پہلی منزل تھی جس کیلئے خداوند تعالی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو انتخاب کیا تھا چنانچہ جب اس آخری امتحان کا وقت آیا تو اونھوں نے باپ کے آگے سر اطاعت خم کر دیا۔

فلما بلغ معه السعی قال یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تری؟ قال یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین فلما اسلما وتله للجبین وناديناه ان یا ابراهیم قد صدقت الرؤیا انا كذلك نجزی المحسنین۔ ان هذا لهو البلاء المبین (۳۷: ۹۵)

جب اسمعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے تو اونھوں نے ایک دن کہا: اے بیٹے اپنے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا تمھیں راہ حق میں ذبح کر رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تم بھی اسپر غور کرو کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ بیٹے نے بلا تامل کہا اے میرے باپ! اس خواب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ایک اشارہ ہے پس آپ حکم الٰہی کو پورا کیجیے، مجھے انشاءاللہ صبر کرنے والوں اور ثابت قدموں میں سے پائیگا۔ جب باپ بیٹے دونوں خدا کے آگے جھک گئے اور باپ نے ذبح کرنے کیلئے بیٹے کو زمین پر پچھاڑا تو اسوقت ہمنے آواز دی اے ابراہیم! بس کرو، تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم صاحبان احسان کو اسی طرح بدلا دیتے ہیں۔ در اصل یہ ایک بہت ہی بڑی قربانی تھی جسکی تعمیل کیلئے تم تیار ہوگئے تھے۔

حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھ بھی اونکے خاندان کی اعانت و رفاقت شریک رہی چنانچہ جب اون کو شعلہ طور کی زبان سے بشارت نبوت دی، تو اونکی بی بی اونکے ساتھ تھیں۔ بلکہ اونھیں کیلئے وہ آتشکدہ طور سے آگ لینے گئے تھے۔

فلما قضیٰ موسیٰ الاجل وسار باھلہ اٰنس من جانب الطور نارا قال لاھلہ امکثوا انی اٰنست نارا لعلی اٰتیکم منھا بخبر او جذوۃ لعلکم تصطلون (۲۸: ۲۹)	جب موسیٰ مدین سے اپنی بی بی کو لیکر چلے تو اونکو کوہ طور کے دامن میں آگ کی روشنی نظر آئی، اونھوں نے اپنی بیوی سے کہا ہیں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے اوسکا پتہ لگاتا ہوں شاید تمھارے تاپنے کیلئے آگ حاصل کرسکوں۔

لیکن وادی ایمن میں جاکر معلوم ہوا کہ یہ آگ کا شعلہ نہ تھا بلکہ وہ ایک برق خاطف تھی جو فرعون کے خرمن ظلم واستبداد پر گرنا چاہتی تھی، چنانچہ جب خدا نے عصا اور ید بیضا کی صورت میں اوسکو یہ صاعقہ ہلاکت دیا اور اونھوں نے اپنے بھائی ہارون کی اعانت کا سوال کیا، تو خدا نے اوسکو پورا کیا۔

قال سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا۔	خدا نے کہا میں تیرے دست وبازو کو تیرے بھائی کی اعانت سے قوی کردونگا اور تم دونوں کو فرعون پر غالب کرونگا۔

چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے آغاز کار سے انجام کار تک حضرت موسیٰ کا ساتھ دیا، اور وہ دعوۃ موسوی کے ہمیشہ شریک وامین رہے۔

حضرت موسیٰ کے بعد اس سلسلہ کو اور ترقی ہوئی پہلے خدا کے ایک صالح بندے نے اپنے بیٹے کو خدا کی مرضی پر قربان کرنا چاہا تھا لیکن اب وہ وقت آیا کہ خود حضرۃ مسیح علیہ السلام نے قربانی کے جام مقدس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسکے لئے سولی کا جو تختہ طیار کیا گیا تھا اسکی طرف بلا کسی باک کے بڑھے۔

وما قتلوہ وصلبوہ ولکن شبہ لھم (۴: ۱۵۶)	اور اون لوگوں نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ پھانسی دی۔ بلکہ اون پر اس قربانی کی حقیقت مشتبہ ہوگئی۔

لیکن اسلام کے زمانہ تک خدا کی راہ میں جو قربانیاں ہوئی تھیں، وہ محض شخصی حیثیت رکھتی تھیں، یعنی انبیا نے شخصی طور پر خدا کی ذات پر اپنی اولاد کو یا اپنے

آپکو قربان کردیا تھا۔ جہاد کی یہ ابتدا تھی، مگر اسکی تکمیل شریعت اسلام پر موقوف تھی چنانچہ اسلام نے جس طرح عقائد و عبادات اور معاش و معاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کی، اوسی طرح جہاد کی حقیقت کو بھی مکمل اور واضح کردیا۔ ابتک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ شخصی طور پر بھی جو قربانیاں کی گئیں وہ راہ ہی میں روک لی گئیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر کو خدا کی نذر کرنا چاہا لیکن اس کا موقعہ ہی نہ آیا، حضرت عیسیٰؑ سولی کی طرف بڑھے لیکن بچا لیے گئے آج تک تمام خاندان نبوت نے متفقہ طور پر اسمیں شرکت بھی نہیں کی تھی اور اسکی کوئی نظیر تمام سلسلہ انبیا میں نہیں نظر آئی تھی کہ صرف بھائی، صرف بیٹا، صرف بیوی، ہی نے مقصد نبوت میں ساتھ نہ دیا ہو بلکہ بلا تمیز خاندان نبوت کے اکثر اعضا وارکان راہ حق میں قربان ہوئے ہوں۔

یزید کی شخصی خلافت کی بیعت کیلئے جو ہاتھ بڑھے تھے وہ اسلام کی جمہوریت کا قلع وقمع کرنا چاہتے تھے، اور مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کیلئے ہوا کرتی ہیں۔ اسلئے جب اسوۂ ابراہیمی کے زندہ کرنیکا ٹھیک وقت آگیا تو خاندان نبوت کے زن و مرد، بال بچے، غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا۔ اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش ابتک خالی تھی اون سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔

پس حضرت حسین علیہ السّلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے۔ اسکا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں، بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جسکا حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا، اور وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات تک پہونچکر گم ہوگئی تھی ہم اسکو حضرت حسین علیہ السّلام نے اپنی سرفروشی سے مکمل کردیا۔

خاندان نبوت دنیا کے آباد کرنیکے لئے ہمیشہ اوجڑتا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے گھربار چھوڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

نے آوارہ گردی کی، اور ربوۂ محمدی کے متبعین میں سے حضرت حسین علیہ السّلام نے میدان کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کردیا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام سے خاندان نبوت کا سلسلہ ملا ہوا ہے۔ انھوں نے ایک وادی غیر ذی زرع میں شدت تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں۔ حضرت حسین علیہ السّلام نے بھی میدان کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا۔ اور غالباً یہی مقصود ہے اُن مفسرین امامیہ کا جو "وفدینٰہ بذبح عظیم" کی تفسیر میں ذبح عظیم شہادت امام علیہ السّلام کو قرار دیتے ہیں اور اس بارہ میں بعض ائمہ اہلبیت کرام علیہم السّلام کے آثار نقل کرتے ہیں "

اصلاح اس تحریر میں قابل ترمیم ہے تو یہ فقرہ کہ وہ اس روایت کو شیعوں سے منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے کتب فریقین سے ثابت کیا ہے کہ یہ روایت نہ صرف شیعوں کے یہاں ہے بلکہ حضرات اہلسنت بھی اس روایت کو اپنی کتابوں میں بڑے احترام سے قبول کرتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صؐ کی کوئی حدیث اہلسنت کے یہاں اس بارہ میں نہیں ہے کہ حضرت نے کچھ ارشاد فرمایا ہو لہذا یہ حضرات ائمہ کرام کی روایتیں عام طور سے زیادہ قابل قبول ہیں۔ بہ نسبت اسکے کہ مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری کی روایتیں قبول کی جائیں جو صحابی بھی نہیں ہیں۔ اور اونکے بیان کو کوئی نسبت بھی ارشاد ائمہ طاہرین سے نہیں ہے کیونکہ انکے بارہ میں نص رسول ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی پھر کون مسلمان ہے جو ان حضرات کی کسی روایت کے مقابلہ میں دوسری روایتوں کو قبول کرے حالانکہ سبکو معلوم ہے قرآن انکے گھر نازل ہوا انکو رسول اللہ صؐ نے قرآن کا ساتھی قرار دیا ہے۔

ہاں یہ واقعہ اس وجہ سے بھی **ذبح عظیم** ہے کہ اسنے اوس اصول کو باطل کردیا جو رسول اللہ صؐ کے بعد اجماع کا ایجاد ہوا تھا کہ جسکو چاہا خلیفہ بنالیا کیونکہ جناب امام حسینؑ نے اپنی شہادت عظمٰی سے بتادیا کہ اجماع کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جیسا کہ خدا و نہ

عالم فرماتا ہے لواتبع الحق اھوائھم لفسدت السمٰوات والارض و
من فیھن بل اتینٰھم فھم عن ذکرھم معرضون مومنون پ ۱۸ ع ۴
کہ اگر حق اونکی خواہشوں کا تابع ہو جائے تو آسمان و زمین اور جو کچھ اون میں ہے۔
سب فاسد ہو جائے۔ بلکہ ہمنے انکے پاس نصیحت کی کتاب پہونچادی اور وہ اوس
نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں۔
دیکھو وہ کونسا کام امام حسینؑ کا تمکو ایسا نظر آسکتا ہے جسمیں پرپشہ برابر بھی حکم خدا سے
مخالفت سمجھی جاسکتی ہے۔ اور وہ کونسا کام ہے دشمنوں کا جو مطابق حکم خدا و رسول
ہو سکتا ہے۔
آپنے صرف یزید کی شخصی اور جمہوری قوت کو نہیں باطل کیا۔ بلکہ ہر اون حکومتوں پر
خط نسخ پھیر دیا جو خلاف حکم خدا و رسول قائم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جب خدا ہمارا
اور مالک ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے وہ ہمکو عبث اور بیکار پیدا کرے افحسبتم انما
خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لاترجعون مومنون پ ۱۸ ع ۹
کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہمنے تمکو بے فائدہ پیدا کیا اور تم ہماری طرف پھر کر نہ آؤگے۔
تو اوسی کے ساتھ یہ بھی نہیں ہو سکتا ایحسب الناس ان یترکو سدی پ ۲۹ ع
کیا انسان یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ یونہی چھوڑ دیے گئے۔ پھر کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے
کہ خدا نے کسی کو ہمارا حاکم اور فرماں روا نہیں بنایا جو ہم اپنے اختیار سے جو چاہیں
کریں۔
دنیا کی حکومت ابتدائے خلقت حضرت آدم سے ایک ہی طرح پر رہی ہر نبی نے اپنے مابعد نبی
پر نص کیا اور اوس کو خلیفہ بنایا جسکا نام خلافت نصی ہے۔ اسکو توڑنے والی کوئی قوت
اگر تھی تو وہی اجماع کہ ایک جماعت ایک طرف ہوئی اور اوسنے پہلے نبی کے انتظام
کو درہم و برہم کیا۔ اور آیندہ چلکر اوسکی نسل نے اوس حکومت پر قبضہ پایا جو بذریعہ
اجماع حاصل کی گئی تھی لہذا حکومت کا تین طریقہ بنگیا ایک نصی جو خلافت الٰہی
ہے۔ دوسری اجماعی تیسری شخصی جو اجماعی کی نسل میں بطور توارث چلی۔

خلافت الٰہی ہمیشہ ایک مستمر طریقہ پر جاری رہی کہ جو شعبہ حکومت کا ہوتا وہ اوس رسول یا نبی کی تعلیم اور نص سے قائم ہوتا جس رسول یا نبی کا زمانہ ہوتا۔ شریعت محمدی چونکہ خاتم الادیان بلکہ ناسخ الادیان تھا۔ اسلئے تیئس سالہ زمانہ نبوت میں اوس نے بتادیا کہ کسی قسم کی حکومت بھی آدمیوں کے اختیار سے نہیں ہوتی۔ بلکہ رسول کے اختیار سے چنانچہ جب حضرت سفر فرماتے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کرتے اگر کسی مہم پر دو آدمی کو بھی روانہ کرتے تو اون میں سے ایک کو امیر بناتے اور دوسرے کو اوسکا تابع اور محکوم۔

مگر رسول اللہؐ کا وفات پانا تھا کہ وہ سلسلہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا ابھی حضرت کے دفن و کفن سے بھی فراغت نہوئی تھی کہ پنچایتی سے ایک خلیفہ بن گیا اور جس خلیفہ کو رسول نے مقرر کیا تھا وہ معطل کر دیا گیا اور دنیا پر یہ ثابت کر دیا گیا کہ رسول اللہؐ نے کسی کو خلیفہ ہی نہیں کیا اور وہ کلام الٰہی غلط ہے ایحسب الناس ان یترک سدی کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ یونہی چھوڑ دے گئے۔

جس وقت تک عوام میں یہ خیال جما رہا کہ یہ خلافت بنص رسول ہے اوس وقت تک تو امن و امان رہا اور جب یہ خیال غلط نکلا اوسی وقت سے فساد شروع ہوا اور خلیفہ سوم اسکے شکار ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین میں لکھتے ہیں ۲۴۴

فلولا مقالۃ قالہا عمر عند وفاتہ لم یشک المسلمون ان رسول اللہؐ قد استخلف ابابکر ولکنہ قال عند وفاتہ ان استخلف فیکم فقد استخلف من ھو خیر منی وان لم استخلف فقد ترکھم من ھو خیر منی فعرف الناس ان رسول اللہؐ لم یستخلف احدا وکان عمر غیر متہم علی ابی بکر۔

یعنی اگر حضرت عمر اپنی وفات کے وقت یہ نہ کہہ جاتے کہ اگر ہم خلیفہ کریں تو اوس نے بھی خلیفہ کیا ہے جو ہم سے بہتر تھا اور اگر نہ خلیفہ کریں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اوس نے بھی خلیفہ نہیں کیا جو ہم سے بہتر تھا۔ تو پھر کسی مسلمان کو اسمیں شک نہ رہتا کہ رسول اللہؐ نے ابوبکر کو خلیفہ کیا مگر چونکہ عمر نے یہ کلمہ کہدیا لہذا سبکو معلوم ہوگیا کہ رسول اللہؐ نے کسی کو

خلیفہ نہیں کیا۔

اب ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ خلیفہ اول و دوم کے زمانہ میں جو امن رہا تو اسی غلط خیال سے کہ رسول اللہ صلعم نے انکو خلیفہ بنایا ہے۔ خلیفہ سوم اور جناب امیرؑ کے زمانہ میں جو فسادات ہوئے تو اسی وجہ سے کہ ہر شخص سمجھتا تھا یہ خلافت بحکم رسول نہیں ہے۔ بلکہ پنچایتی ہے جسکے توڑنے کا ہر شخص کو ہر وقت اختیار حاصل ہے۔

غرض جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ خلیفہ نصی کو خلافت اجماعی ہی توڑ سکتی ہے۔ اور خلافت اجماعی کے بعد خلافت شخصی ہو جاتی ہے اوسکی تصدیق ان واقعات سے بخوبی ہوتی ہے کیونکہ جناب امیرؑ کی خلافت منصوصہ تھی۔ اوسکو اجماعی خلافت نے توڑ دیا۔ حضرت عثمان کی خلافت پوری اجماعی تھی اوسکا جو نتیجہ ہوا معلوم ہے کہ اجماع ہی سے وہ واجب القتل قرار پائے۔ خلافت جناب امیرؑ منصوصی اور اجماعی دونوں ہو گئی۔ اور سکے مقابلہ میں بھی خلافت اجماعی آ کھڑی ہوئی معویہ کے مرنے پر اصلی رنگ شخصی کا نمایاں ہوا کہ یزید خلیفہ ہوا یزید کے بعد پھر وہی اجماعی خلافت کا جھگڑا کھڑا ہوا جس سے ایک طرف عبداللہ بن زبیر نے مکہ میں خلافت اجماعی کی دوسری طرف مروان نے شام میں۔ آخر مروان کے چار بیٹے یکے بعد دیگرے بالاستخلاف خلیفہ ہوئے۔ یہانتک کہ اون کا خاتمہ بھی اجماعی خلافت سے کہ ابو السفاح اول خلیفہ بنی عباس خلیفہ ہوئے۔ اور اونکے بعد پھر استخلاف کا سلسلہ چلا جسکو تاتاریوں نے آکر توڑا اور ہمیشہ کیلئے خلافت کا جھگڑا طے ہوا۔

اب بجز جناب امام حسینؑ کون تھا جو بتاتا کہ خلافت الٰہی بنص ہوتی ہے نہ باجماع نہ بتوارث اسی لئے حضرت نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تینوں مدارج کو بنہایت وضاحت کے طے کیا۔ یا بالقلب یا بلسان یا بید۔ قلبا تو اس طرح کہ کسی وقت میں بھی آپ ان خلافتوں سے راضی نہوئے۔ لسانا اس طرح کہ خود خلیفہ دوم سے کہدیا انزل عن منبر ابی ہمارے باپ کے منبر سے اوتر جا۔ بالید کی تو کچھ حد ہی نہیں۔

اسی لئے اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں "جب اسوہ ابراہیمی کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندان نبوت کے زن و مرد۔ بال بچے غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش ابتک خالی تھی ان سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔"

کیونکہ اس اسوہ ابراہیمی کے مٹانے والے **ایک لاکھ بیس ہزار** صحابی تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ جناب امیرؑ کے سر پر عمامہ باندھ کر آپکو خلیفہ بنا رہے ہیں اور اپنے کانوں سے سنا من کنت مولاہ فعلی مولاہ آپ فرما رہے ہیں۔ اسپر بھی پچاس برس وہ اپنی طغیانی اور نافرمانی دکھا رہے ہیں جس میں نہ معلوم کتنے ملک فتح ہوئے کتنے بندگان خدا پیدا ہوئے جو اسی عقیدہ پر جمے تھے پھر اوس کا ابطال بجز اسکے کیونکر ممکن تھا کہ جناب امام حسینؑ مع اولاد و اصحاب قربانی پائیں اور آپکے اہل حرم اسیر ہوکر دربدر پھرائی جائیں تاکہ معلوم ہو شریعت خدا کا زندہ کرنا آسان کام نہیں ہے اور اوسکو وہی زندہ کر سکتے ہیں جن میں رسول کا خون جوش زن ہو۔ ورنہ کروڑوں مسلمان۔ ہزاروں صحابی موجود تھے کسی کو اسکا احساس بھی نہوا کہ کیا ہو رہا ہے بلکہ خود انس صحابی کے سامنے لب و دندان جناب امام حسینؑ کو بجا رہا ہے اور انکو کچھ احساس نہیں ہوتا۔

جس مضمون کو مولوی ابو الکلام صاحب نے لکھا ہے کہ جناب امام حسینؑ نے جو کام کیا وہ آجتک کسی سے نہوسکا اسکو ڈاکٹر سیو ماربین جرمنی عالم نے فلسفہ شہادت میں اور بھی واضح طور پر لکھا ہے جو اصلاح جلد ۱۸ اشتہ ۱۳۲۹ھ میں شائع ہوچکا ہے چنانچہ لکھتے ہیں صـ۲

"حسینؑ سے پہلے بھی بہت سے ریفارمر روحانی اور ارباب دیانات بحالت ظلم قتل کئے گئے ہیں اور اُنکے قتل بعد ہی (ریولیوشن) ہوا ہے اور اُنکے تابعین نے اُنکے دشمنوں پر تلوار کھینچی ہے جس طرح بنی اسرائیل میں مکرر اتفاق ہوا ہے اور حضرت یحیی کا قصہ تاریخی بڑے بڑے واقعات میں سے ایک بڑا واقعہ ہے اور اسی طرح جو سلوک یہودنے

حضرت مسیح سے کیا اس زمانہ تک نظیر واقع ہوئی تھی۔ مگر حسینؑ کے واقعہ نے تمام وقائع پر فوقیت پیدا کرلی۔ تاریخ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ روحانیین و ارباب دیانات میں سے کسی شخص نے بھی خیالات عالیہ متاخرہ کیوجہ سے اپنی ذات کو اپنے علم و ارادہ سے قتل کرادیا ہو یعنی ارباب دیانات سے جو شخص بھی قتل ہوا اُسکے دشمنوں نے غفلۃً اوپر حملہ کرکے مظلومیت میں اوسے قتل کردیا اور موافق اُنکی مظلومیت کے (ریولیوشن) بھی اُنکے بعد پیش آیا۔ مگر حسینؑ کا واقعہ عالمانہ اور حکیمانہ اور سیاسی حیثیت کا تھا اور دنیا کی تاریخ میں اُسکی نظیر نہیں ہے کتنے برس تک حسینؑ اپنے مقتول ہونے کا انتظام اور مہیا کرتے رہے اور نہایت بلند اور عالی مقصد اُنکے پیش نظر تھا اور تاریخ میں کہیں پتہ نہیں ہے کہ کسی نے آیندہ زمانہ میں اپنے دین کی ترویج کیلئے بعلم و قصد اپنی جان دی ہو سوائے حسینؑ کے جو مصیبتیں کہ حسینؑ نے اپنے نانا کے دین کے زندہ کرنے میں برداشت کیں گذشتہ ارباب دیانات پر فوق رکھتی ہیں۔ اور سابقین میں سے کسی پر واقع نہیں ہوئیں اور بالفرض اگر کہا جائے کہ اور لوگوں نے بھی دین کیلئے اور دین کی راہ میں جان دی ہے مگر (ضرور) حسینؑ کے طرز و انداز پر ایسا نہیں ہوا حسینؑ نے اپنی جان شیریں دی۔ اپنے عزیز فرزند اپنے بھائی اپنے بھانجے اپنے دوست اقربا سب دیدیئے مال دیا۔ عیال کی اسیری گوارا کی اور یہ مصیبتیں ایکدفعہ ناگہان اور نادانستہ واقع نہیں ہوئیں کہ مجموعی حیثیت سے ایک مصیبت کا کل پر اطلاق ہوسکے۔ بلکہ فاصلہ ہو ہو کر یکے بعد دیگرے یہ مصیبتیں پیش آئیں اور وارد ہوئیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے مصائب کا پے درپے ہجوم کرنا حسینؑ کے ساتھ خاص ہے یہی سبب تھا کہ حسینؑ کے قتل ہوتے ہی اوران دردانگیز واقعات کے پیش آتے ہی اور اُنکی عورتوں اور بیبیوں کے اسیر ہوتے ہی بنی امیہ کے باطن کا حال طشت ازبام ہوگیا۔ اور اُنکے اعمال ناشائستہ کے قبایح عالم پر روشن ہوگئے سیاسی احساس اور (ریولیوشن) کا مادہ مسلمانوں میں پیدا ہوگیا اور سلطنت یزیدی اور بنی امیہ کے برخلاف (ریولیوشن) شروع ہوگیا اور بنی امیہ کو مخرب اسلام جانکر اُن کی بدعتوں اور اختراعی امور کو رد

کرنے لگے ۔ اور انھیں ظالم اور غاصب کہنے لگے اور حقیقی روحانیت اسلام ان میں سمجھی گئی گویا مسلمانوں نے حیات تازہ اور نئی زندگی حاصل کی ۔ اور اسلام کی روحانیت کیلئے نئی رونق پیدا ہو گئی اسلام کی ریاست روحانی جو دفعۃً زائل ہو گئی تھی اور مسلمان جو کہ جذبہ روحانیت کو فراموش کر بیٹھے تھے ایک خاص روحانیت اور شان کے ساتھ اُس کی تجدید ہو گئی ۔

جس طرح حسینؑ کے مصائب کی عظمت تمام روحانین سلف کے مصائب پر مسلم تھی اُسی طرح اُن (ریوولیوشنس) کی عظمت بھی جو بعد واقعہ حسینؑ کے پیش آئے تمام سابق (ریوولیوشن) سے بڑھ گئے ۔ اور زمانہ بھی اُن کا زیادہ اور تاثرات بھی اُنکی زیادہ تھی ۔ ان وجوہ سے محمدؐ کے باقی ماندگان کی مظلومیت تمام عالم میں مشتہر ہو گئی ؎

غرض جس شخص کو کچھ بھی علم و ادراک ہے بلکہ عقل و شعور بھی رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے جو **وفدیناہ بذبح عظیم** فرمایا ہے تو اوس سے بجز شہادت جناب امام حسینؑ دوسرا کوئی امر مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ محال ہے کہ خدا کسی دنبہ یا بھیڑ کے ذبح کو ذبح عظیم کہہ سکے اگرچہ وہ فربہی میں مثل ہاتھی ہی کیوں نہو ۔

رسالت کی جہالت

کلکتہ سے ایک رسالت نامی روزانہ اخبار نکلتا ہے جسکے اڈیٹر صاحب ابو القاسم رفیق دلاوری ہیں جو اپنے اخبار مورخہ ۲۰ محرم الحرام میں لکھتے ہیں " (مدائن کے بعد) اسی تاریخی یادگار سے تھوڑے فاصلہ پر ایک دوسرا روضہ ہے جو اسکے بہت عرصہ بعد تعمیر ہوا اور اسکی نسبت ایک کم معروف بزرگ سے منسوب ہے ۔ یہ مقبرہ سلمان پاک کے نام سے مشہور ہے جو علی قول البعض آنحضرتؐ کے حجام صحابی تھے ۔ اسلئے خوش عقیدہ مسلمانوں کیلئے یہ ایک زیارت گاہ ہے " ۔

پہلے تو یہ مشہور تھا کہ شیعہ سنی میں بٹوارہ ہو گیا ہے ۔ اہلبیت طاہرین شیعوں کے حصہ میں پڑے ہیں ۔ اور صحابہ کو اہلسنت نے لیا ۔ مگر زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ اہلسنت اب صحابہ کو بھی چھوڑنے لگے اور عنقریب اسکا اعلان ہوگا کہ اونکو بجز صحابہ

ثلثہ کسی صحابی سے بھی کام نہیں۔ خدا و رسول سے تو پہلے ہی سے علحدہ تھے۔

اگرچہ رسول اللہ صلعم کی کوئی بھی خدمت ہو انسان کیا ملائکہ کیلئے بھی موجب شرف و افتخار ہے۔ مگر نہ معلوم اڈیٹر صاحب نے کہاں سے یہ لکھدیا کہ یہ حضرت کے حجام تھے کیونکہ حجامی تو عرب کی (نہ رسول اللہ صلعم کی) خلیفہ سوم کے بہنوئی سے متعلق تھی جو یہی کام کرتے تھے۔

حضرت کے خدام کا جہاں نام لکھا ہے وہاں حسب ذیل نام ملتے ہیں۔ انس بن مالک جو انصار سے تھے اور دس برس تک حضرت کے خدمتگار رہے صنـ۵۲ مدارج النبوۃ

عبداللہ بن مسعود نعلین۔ مسواک متکا عصا انکے ہاتھ میں رہتا جب حضرت کہیں سفر کرتے تو ابن مسعود نعلین مبارک پیروں میں پہناتے اور جب آپ تشریف واپس لاتے تو یہ نعلین جدا کر کے اپنی آستین میں رکھا کرتے۔ انھیں سے خلیفہ سوم نے قرآن لینا چاہا انھوں نے نہ دیا تو اسقدر مار ماری کہ پسلیوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات۔

ایمن بن ام ایمن۔ حضرت کا مطہرہ انکے پاس رہتا جس سے آپ وضو کرتے جنگ حنین میں شہید ہوئے۔

ربیعہ بن کعب اسلمی یہ حضرت کیلئے آب وضو درست کرتے وفات ۶۳ھ بعد واقعہ حرہ۔

عقبہ بن عامر۔ یہ حضرت کا استر درست کرتے ۵۸ھ۔

سعد مولی ابوبکر۔ اور کوئی حال انکا نہیں لکھا گیا ہے مدارج النبوۃ صنـ۵۰۲

اشلع بن شریک صاحب راحلہ ان کا بھی اور کوئی حال نہیں معلوم بجز اسکے کہ تیمم کی ایک روایت ان سے آئی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری یہ چوتھے مسلمان ہیں یا پانچویں مگر کوئی خدمت ان کی مذکور نہیں ہے بجز اسکے کہ یہ حضرت کے اخص اصحاب سے تھے۔

غرض حضرت سلمان فارسی کو کسی نے حجام نہیں لکھا ہے انکی مدح و ثنا سے اہلسنت

کی کتابیں مالامال ہیں جو اگر بتفصیل لکھا جاے تو ایک پوری ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے
حنین ۔ نعیم ۔ ابو الحمراء ۔ ابو السمح خادم این سیزدہ تن انداز خدام آنحضرت کہ در مواہب
لدنیہ مذکور اند صفحہ ۵۸۵ مدارج النبوۃ

صحابہ کے حالات میں اس وقت تین کتابیں متداول ہیں ایک **استیعاب**
ابن عبد البر کی ۔ دوسرے **اسد الغابہ** علامہ ابن اثیر جزری جنکی تاریخ کامل ہے
تیسری **اصابہ فی معرفۃ الصحابہ** جو مشہور کتاب ابن حجر عسقلانی کی ہے ۔ مگر کسی
نے یہ نہ لکھا کہ وہ حجام تھے ۔

اسد الغابہ میں ہے کہ سب سے پہلے یہ آپ کے ہمراہ خندق میں شریک ہوے اور خندق کے
بعد کسی مشہد میں پیچھے نہ رہے ۔ رسول خدا نے فرمایا کہ جنت تین شخصوں کی (یعنی علیؑ اور عمار
اور سلمان) کی مشتاق ہے ۔ سلمان بہترین صحابہ اور زہاد و فضلا میں سے تھے اور
رسول خدا کے مقربین سے تھے ۔ مہاجرین و انصار میں سلمان کے بارے میں گفتگو ہوئی ۔
(سلمان قوی آدمی تھے) مہاجر کہتے تھے سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار کہتے تھے
سلمان ہم میں سے ہیں ۔ آپ نے فرمایا سلمان ہم میں سے ہیں یعنی **اہلبیت** میں سے
عباس بن یزید نے بیان کیا کہ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ سلمان ساڑھے تین سو برس
زندہ رہے لیکن ڈھائی سو برس میں کسی کو عذر نہیں ۔ ابو نعیم نے لکھا ہے کہ سلمان
بڑی عمر والوں سے تھے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے عیسی بن مریمؑ کو پایا تھا
اور دونوں کتابیں پڑھی تھیں اور انکی تین لڑکیاں تھیں ۔ انکی ایک لڑکی اصبہان
میں اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ اہل اصبہان انھیں کی اولاد سے ہیں ملاحظہ
ہو صفحہ ۳۲۸ لغایت صفحہ ۳۳۲ جلد ۲

استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۷۱ لغایت ۵۷۳ درج ہے ۔

سلمان الفارسی ابو عبد اللہ یقال انہ مولی رسول اللہ و یعرف بسلمان
الخیر کان اصلہ من فارس من رام ھرمز من قریۃ جی فاشتراہ
رسول اللہ من قوم الیہود بکذا و کذا + عن النبی انہ قال امرنی ربی

بحب اربعة واخبرنی انه سبحانه یحبهم علی وابوذر والمقداد وسلمان

وروی عن النبی ص من وجوه انه قال لوکان الدین عند الثریا لناله

سلمان۔

سلمان فارسی آزاد کردہ رسول اللہ ص ہیں جو معروف ہیں یہ سلمان خیر اصل میں وہ فارس سے تھے قریہ جی سے ہ حضرت نے قوم یہود سے انکو خرید اتھا حضرت فرماتے تھے خدا نے ہمکو چار آدمیوں سے محبت کا حکم دیا ہے اور وہ انکو دوست رکھتا ہے۔ حضرت علیؑ۔ ابوذر۔ مقداد۔ سلمان۔ اور حضرت فرماتے تھے اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو سلمان اوسکو ضرور پا لیتے۔

اب نہ معلوم حضرات اہلسنت کو ان سے کس وجہسے عداوت ہے جو حجام بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں کم معروف صحابی تھے۔ مگر ان روایات سے کچھ پتہ چلتا ہے

د. وینا عن عائشہ قالت کان لسلمان مجلس من رسول اللہ ینفرد بہ باللیل حتی کاد یغلبنا علی رسول اللہ ص ۲۶ استیعاب

جسکا ترجمہ اسد الغابہ میں یوں کیا گیا ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ سلمان رسولخدا ص کے پاس رات کو بیٹھے تھے یہانتک کہ قریب تھا کہ وہ مجھسے رسول خدا کے بارےمیں سبقت لے جائیں ص ۳۳۲ جلد ۲

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ کو کسقدر غصہ آتا ہو گا کہ یہ ہمارے عیش آرام میں مخل ہو رہے ہیں

دوسری روایت اوسی استیعاب میں ہے ان اباسفیان اتی سلمان وصہیب وبلال فی نفر فقالوا ما اخذت سیوف اللہ من عنق عدو اللہ اخذھا فقال ابوبکر اتقولون ھذا لشیخ قریش وسیدھم واتی النبی فاخبرہ فقال یا ابابکر لعلک اغضبتہم لئن کنت اغضبتہم لقد اغضبت ربک جل وعلا ص ۲۷۵

یعنی سلمان فارسی اور صہیب وبلال ایک جگہ بیٹھے تھے کہ اودھر سے ابوسفیان کا

گذر ہوا انھوں نے دیکھکر کہا کیا خدا کی تلواروں نے اس دشمن خدا کی گردن پر قبضہ نہیں کیا۔ ابوبکر نے کہا تم ایسا کلمہ اوس شخص کے بارہ میں کہتے ہو جو قریش کا شیخ اور سردار ہے یہ کہکر دوڑے ہوے رسولخداؐ کے پاس گئے اور یہ قصہ بیان کیا حضرت نے فرمایا شاید تو نے ان لوگونکو غضبناک کیا اگر ایسا ہوا تو خدا کو تو نے غضبناک کیا۔

تیسری روایت بھی اوسی میں ہے کہ حضرت نے جو سلمان کو خرید اتو اس شرط پر کہ اوس یہودی کیلئے ایک باغ خرما نصب کردیں فغرس رسول اللہ النخل کلہ الا نخلۃ واحدۃ غرسھا عمر فاطعمہ کلہ الا تلک النخلۃ فقال رسول اللہ ص من غرسھا فقالوا عمر فقلعھا رسول اللہ ص وغرسھا فاطعمت من عامھا۔

تو خود آنحضرتؐ نے اون درختوں کو نصب کیا مگر ایک درخت کو عمر صاحب نے لگایا حضرت کے لگائے ہوے درخت سب اوسی سال بار آور ہوے مگر عمر والا درخت ویسا ہی رہا حضرتؐ نے پوچھا اسکو کس نے لگایا ہے لوگوں نے کہا عمر نے تب حضرت نے اوس درخت کو اوکھیڑ دیا اور دوسرا لگایا جس سے وہ بھی اوسی سال بار آور ہوا۔

اس روایت کو اڈیٹر النجم نے بھی معتبر جانا ہے چنانچہ ترجمہ شمائل ترمذی میں اسی روایت کو لکھتے ہیں ملاحظہ ہو صا ۱۱ ۲۵ جلد ۱۱

غرض یہ تین روائتیں ابتدائی حالات کے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہلسنت ان سے ناخوش ہیں کیونکہ ایک طرف بی بی عائشہ ناراض تھیں کہ انکو یہ حضرت کے پاس اتنا بیٹھتے ہیں کہ ان کا غصہ بھڑک رہا ہے۔ دوسری طرف **ابوسفیان** کو دشمن خدا بنا رہے ہیں جس سے ابوبکر صاحب کو یہ طیش آتا ہے کہ وہ ابوسفیان کو شیخ و سید قریش کا خطاب دیتے ہیں تیسری طرف عمر صاحب دخل در معقولات دیکر ایک درخت گاڑ دیتے ہیں جو ایسا نحس ثابت ہوتا ہے کہ حضرت

اوسکو دوبارہ اوکھاڑ کر لگاتے ہیں۔

حضرت **سلمان فارسی** کو ایڈیٹر رسالت حجام بنا رہے ہیں۔ مگر افسوس حضرت سلمان فارسی کی بدولت اس مذہب باطل کی ایسی حجامت بنی ہے کہ قیامت تک اسکے سر پر بال نہ جمے کیونکہ علامہ فخر الاسلام محمد بن علی بزدوی اپنی کتاب کشف الاسرار جلد ۳ میں لکھتے ہیں واما امامۃ ابی بکرؓ فلم تکن ثابتۃ قبل موافقۃ علی وسعد و**سلمان** بالاجماع بل بالبیعۃ من الاکثر صـ ۲۴۷

یعنی جبتک جناب امیرؑ اور حضرت **سلمان فارسی** و سعد نے ابوبکر کی موافقت نہ کی اوس وقت تک یہ خلافت بالاجماع نہیں ثابت ہوئی۔

جس سے معلوم ہوا کہ جبتک حضرت سلمان نے بیعت ابوبکر کی نہ کی تھی اوس وقت تک اجماع درست نہوا تھا پھر حیف ہے کہ ایسے مقدس صحابی کو یہ حجام بنا رہے ہیں۔

اس واقعہ کو علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے مختصر لفظوں میں اس طرح لکھا ہے ملاحظہ ہو شرح ابن ابی الحدید صـ ۱۳۱ جلد اول مطبوعہ مصر۔

فلما بویع ابوبکر قال سلمان اصبتم الخیرۃ واخطاتم المعدن قال ابوبکر واخبرنا ابو زید عمر بن شیبہ قال حدثنا علی بن ابی ھاشم قال حدثنا عمرو بن ثابت عن حبیب بن ابی ثابت قال قال سلمان یومئذ اصبتم ذا السن منکم واخطاتم اھلبیت نبیکم لو جعلتموھا فیھم ما اختلف علیکم اثنان ولاکلتموھا رغدا۔

یعنی حضرت **سلمان** اور زبیر اور انصار چاہتے تھے کہ بعد رسول اللہ جناب امیرؑ کی بیعت کریں رجب ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو سلمان نے کہا اختیار حاصل کرنے میں تو صواب پایا مگر معدن نبوت کے چھوڑنے میں خطا کی۔ ابو ثابت سے روایت ہے کہ اوس روز حضرت فارسی نے کہا سن رسیدہ کو اختیار کرنے میں تو تمنے صواب پایا۔ مگر اسمیں خطا کی کہ اپنے نبی کی اہلبیت کو چھوڑ دیا اگر خلافت کو اہلبیت ہی قرار دیتے تو پھر دو آدمی بھی تمسے مخالفت نہ کرتا اور دنیا کو خوشگواری کیساتھ کھاتے۔

اب تم تواریخ اسلام کو پڑھ جاؤ تو تمکو معلوم ہو کہ بعد وفات رسول جتنے قصے ہوئے خواہ ردہ کا۔ خواہ انکار زکوۃ کا سبکی اصل یہی ہے کہ وہ اس خلافت کو ناجائز جانتے تھے۔ اسی لئے جس سے جو بن پڑا وہ کیا۔

دوسری روایت یہ بھی اوسی شرح میں مذکور ہے براء بن عازب سے۔

فاتيتهم فاجد المقداد بن الاسود وعبادة بن الصامت وسلمان الفارسی و اباذر وحذیفة واباالهيثم بن التيهان واذا حذیفة يقول لهم والله ليكونن ما اخبرتكم به والله ماكذبت ولا كذبت واذا القوم يريدون ان يعيد والامر شورى بين المهاجرين ثم قالوا ايتوا ابی بن كعب فقد علم كما علمت فانطلقنا الى ابى فضربنا عليه بابه حتى صار خلف الباب فقال من انتم فكلمه المقداد فقال ما حاجتكم فقال له افتح عليك بابك فان الامر اعظم من ان يجرى من وراء حجاب قال انا بفاتح بابى وقد عرفت ما جئتم له كانكم اردتم النظر فى هذا العقد فقلنا نعم فقال افيكم حذيفة فقلنا نعم قال فالقول ما قال وبالله ما يفتح عنى بابى حتى يجرى على ما هى عليه جاريه ولما يكون بعدها شر منها والى الله المشتكى صـ ۱۳۲

براء بن عازب کہتے ہیں کہ حضرت مقداد۔ عبادہ بن صامت۔ سلمان فارسی۔ ابو ذر۔ حذیفہ۔ ابو الہیثم بن تیہان کو یکجا پایا۔ حذیفہ اون سے کہہ رہے ہیں کہ قسم بخدا جو کچھ ہمنے کہا وہی ہوگا نہ ہم جھوٹ بولتے ہیں نہ ہمکو جھوٹ خبر دی گئی ہے۔ یہ سب چاہتے ہیں کہ خلافت کو شوری سے قرار دیں درمیان مہاجرین کے۔ لوگوں نے کہا ابی بن کعب کے پاس چلو کہ وہ بھی اسکو جانتے ہیں وہاں جو گئے تو در بند پایا۔ مقداد نے آواز دی کہ در کھولو۔ ابی نے کہا کیا چاہتے ہو جو کہنا ہو کہہ لو۔ مقداد نے کہا یہ بات ایسی نہیں ہے کہ بیرون در سے کہی جائے۔ ابی نے کہا ہم دروازہ تو نہیں کھولیں گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ تملوگ اسی امر کیلئے آئے ہو۔ تو کیا تم میں حذیفہ نہیں ہیں۔ کہا کہ ہیں۔ تو ابی بن

کعب نے کہا۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی حق ہے قسم بخدا ہم در واز۔ کہو لینگے جبتک ہم پر وہ نہ گذر جائے جو ہونے والا ہے اور قسم بخدا کی اس کے بعد اس سے بدتر ہے اور خدا کی طرف اوسکی شکایت ہے۔

ان حضرت حذیفہ سے تمامی اہل علم واقف ہیں کہ یہ وہ بزرگ ہیں جنکو رسول اللہ نے کل منافقوں کے نام بتا دیے تھے اور اون کل امور کی خبر دی تھی جو آپکے بعد قیامت تک ہونیوالا ہے۔ حضرت عمر نے ان سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ آنحضرت نے ہمارا نام بھی منافقوں میں لیا ہے یا نہیں۔

حضرت حذیفہ کی قبر بھی اوسی مقام پر ہے جہاں حضرت سلمان فارسی کی قبر ہے مدائن میں یہ فقیر بھی ان زیارتوں سے مشرف ہو چکا ہے جبکہ حضرت والد علام فخر الحکما و امظلہ کے ساتھ زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہوا تھا۔

افسوس کہ خیال اختصار مانع ہے ورنہ یہ وہ حالات ہیں جنکا احصا نہیں ہو سکتا حضرت سلمان فارسی نے مدائن میں وفات پائی اور جناب امیر نے براہ اعجاز طے الارض فرما کر انکے جنازہ میں شرکت کی اور نماز جنازہ پڑھی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صحابہ رسول و صحابہ امام

اگرچہ جو لوگ واقعات کربلا سنتے رہتے ہیں اونکو جناب امام حسین علیہ السلام کے اہلبیت اور اصحاب کی وفاداری بخوبی معلوم ہے کہ ان باوفا اصحاب نے کیا کام کیا جسکی نظیر تواریخ عالم میں نہیں ملتی مگر جب ان باوفا اصحاب کی وفاداری کا مقابلہ صحابہ رسول سے کیا جائے تو اور بھی حقیقت کھلتی ہے کیونکہ مقابلہ صحابہ و دیگر انبیاء کرام ان لوگوں کے کارنامے بڑی شان اور عزت سے دکھائے جاتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلا موقع رسول اللہ صلعم کو وہ پیش آیا ہے کہ پچاس آدمی سے کچھ زیادہ مسلمان ہوئے ہیں تب حضرت ابوبکر مشرف بہ اسلام ہوئے اور انھوں نے اس تعداد کو اسقدر کافی سمجھا کہ رسول اللہ صلعم پر دباؤ ڈالنے لگے کہ اب ظاہر ہونا چاہیئے۔ ہر چند حضرت سمجھاتے

ہیں کہ ابھی موقع نہیں آیا ہے ہم بہت قلیل ہیں مگر نہ مانا اور آخری نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے کہ عتبہ بن ربیعہ نے اتنی بے ادبی کی کہ ناک اور چہرہ میں فرق نہ رہا اسی کی طرف خداوند عالم اشارہ فرماتا ہے فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان یصیبھم فتنۃ او عذاب الیم سورہ نور

جو لوگ کہ مخالفت کرتے ہیں حکم رسول اللہ صؐ سے اونکو ڈرنا چاہیئے کہ ایسا نہو انپر کوئی آفت پڑ جائے یا عذاب الیم میں مبتلا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے باوصفیکہ جانتے تھے بڑے لشکر سے سامنا ہونے والا ہے۔ مگر اوس وقت کوئی دباؤ نہ ڈالا جبکہ لشکر حُر۔ ہزار سپاہ سے ان کا مقابل ہوا ہے کیونکہ امام علیہ السلام کی عصمت اور امامت پر اونکو یقین تھا اور جانتے تھے کہ امام ع ان مصالح کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

(۲) رسول اللہ صؐ کو سب سے بڑا وقت مصیبت وہ پیش آیا ہے کہ جب ان تازہ مسلمانوں سے سعد بن ابی وقاص نے ایک کافر کے سر کو زخمی کیا۔ تو اوسکے بعد قریش نے باخود ہا معاہدہ کیا کہ ان سے بائی کاٹ کرنا چاہیئے نہ ان سے لین دین کیا جائے نہ ان کی لڑکی بیاہی جائے نہ کسی قسم سے کھانا پانی مل سکے جو مشہور واقعہ محاصرہ شعب ابوطالب ہے کہ حضرت مع تمامی قبیلہ بنی ہاشم تین برس تک اس مصیبت میں رہے جو تمامی کتب تواریخ میں مذکور ہے اور مخالفین اسلام نے بھی بڑی شد و مد سے اسکو لکھا ہے۔

مگر افسوس بجز جناب امیرؑ جو نفس رسول تھے اور کوئی صحابی بھی اس حصار میں شریک نہوا جس سے آپ قیاس کر سکتے ہیں کہ اگر وہ لوگ بھی جو اسلام لاچکے تھے اور حضرت کے شرف مصاحبت سے مشرف تھے۔ اسمیں شریک ہوتے تو حضرت کی تکالیف میں نہ صرف کمی ہو جاتی۔ بلکہ یہ معاملہ ہوتے ہی ختم ہو جاتا کیونکہ حضرت ابوبکر کا قبیلہ تیم۔ عمر کا قبیلہ عدی۔ عثمان کا قبیلہ بنی امیہ طلحہ زبیر سعد بن ابی وقاص کا قبیلہ بنی اسد و بنی زہرہ حمایت پر کھڑا ہو جاتا تو کیا مجال تھی کہ یہ ظلم ہوتا جو تنہا

بنی ہاشم پر گذرا کیونکہ یہی عمر ہیں جنکے اسلام لانے کے بعد یہ واقعہ ہوا ہے اونکی سخت زبانی پر کفار قریش بگڑے ہیں اور ان سے تکرار ہونے لگی ہے تو عاص بن وائل سہمی پکار کر کہہ رہا ہے قال ما شانکم قالوا صبا عمر قال فمہ رجل اختار لنفسہ امرا فماذا تریدون اترون ان بنی عدی یسلمون لکم صاحبکم ھکذا خلوا عن الرجل ص۲۲ کامل جلد

کہ یہ کیا کرتے ہو لوگوں نے کہا عمر مسلمان ہو گیا تو اوس نے کہا پھر تمکو کیا اوس نے اپنے نفس کیلئے جس امر کو چاہا اختیار کیا۔ کیا تمھارا یہ گمان ہے کہ بنی عدی (قبیلہ عمر) یونہی چھوڑ دینگے۔ ہٹ جاؤ اوس سے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ لوگ جو مسلمان ہوے تھے حضرت کے ساتھ ہو جاتے تو کیا ممکن تھا۔ اس طرح حضرت کو تنہا یہ مصیبت اوٹھانی پڑتی جسکا نمونہ اس بیان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہشام بن عمرو بن حرث بن عمرو بن لوی۔ زہیر کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے یا زھیر ارضیت ان تاکل الطعام وتلبس الثیاب وتنکح النساء واخوالک حیث قد علمت انا انی احلف باللہ لو کان لخوال ابی الحکم یعنی ابی جھل ثم دعوتہ الی مثل ما دعاک الیہ ما اجابک ابدا ص۲۳

کہ اے زہیر کیا اسپر راضی ہو کہ تم کھانا کھاؤ کپڑے پہنو عورتوں سے صحبت کرو اور تمھارے ماموں لوگ اس مصیبت میں ہوں (دیکھو کہ زہیر کی ماں عاتکہ بنت عبد المطلب تھیں) قسم خدا کی اگر ہمارے ماموں کے بارہ میں کوئی ایسی خواہش کرتا تو ہم ہرگز نہ مانتے۔

یہی زہیر کہتا ہے یا اھل مکہ انا کل الطعام ونلبس الثیاب وبنو ھاشم ھلکی لا یبتاعون ولا یبتاع منھم۔ اے اہل مکہ کیا یہی مناسب ہے کہ ہم تو کھانا کھائیں اور کپڑے پہنیں اور بنی ہاشم ہلاک ہوں کہ نہ ان سے خرید کیا جاسکے نہ فروخت جس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی مصیبت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ خود کفار

میں ہیجان پیدا ہوا اور وہ اسکے درپے ہوئے کہ کسی طرح اوس معاہدہ کو باطل کریں۔ تو اگر یہ صحابہ بھی حضرت کا ساتھ دیتے اور آپکے ساتھ اس محاصرہ میں شریک ہوتے توکسقدر جلد اسکا خاتمہ ہوجاتا یا اسکی نوبت ہی نہ آتی۔

اب یہاں شان اصحاب امام حسینؑ کو خیال کیجئے کہ مدینہ سے مکہ تک اور مکہ سے کربلا تک کس شان کی اونھوں نے رفاقت کی کہ خود جناب امام حسینؑ پکار پکار کر فرماتے ہیں یارو ہمکو چھوڑ کر چلے جاؤ ان کو بجز ہمارے کسی سے سرکار نہیں مگر یہ عرض کرتے ہیں کہ کیا ہم آپکو تنہا اس نرغہ اعدا میں چھوڑ دیں بخدا یہ ناممکن ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کفار نے توصرف بنی ہاشم کیلئے یہ معاہدہ کیا تھا تو اوس میں دوسرا کیونکر شریک ہوسکتا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہی معاملہ تو امام حسینؑ کو بھی پیش آیا کہ دشمنونکو صرف حضرت سے مطلب تھا آپ ہی کا قتل چاہتے تھے۔ مگر ان جان نثاروں نے رفاقت نہ چھوڑی یہانتک کہ سب ساتھ ہی آپکے شہید ہوئے۔ اسی طرح اگر اصحاب رسالتمآب بھی وفاداری کرتے جان نثاری کرتے تو اسکی کب نوبت آتی۔ حالانکہ وہاں امام حسینؑ فرمارہے ہیں ہمارے ساتھ رہنے میں قتل یقینی ہو مگر وہ نہیں علحدہ ہوتے۔ بخلاف اصحاب رسول کہ اونکو خود حضرت کی زبانی خبر ایمان لائے تھے اور دیگر کاہنوں اور احبار کی زبانی معلوم تھا یہ دین ترقی کرنے والا اور زندہ رہنے والا ہے۔ مگر اتنا ایمان کس میں تھا جو اس نازک وقت میں ساتھ دیتا حالانکہ وہاں صرف ایک مصیبت تھی کہ کھانا غلہ بند تھا۔ جان کا سودا نہ تھا بخلاف اصحاب امام کے کہ ہر طرح کی مصیبت تھی۔

بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر دو چار اصحاب بھی حضرت کے شریک حال ہوجاتے تو اسکی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ قبیلہ بنی ہاشم سب سے چھوٹا قبیلہ تھا۔ مگر تاہم یہ جرات کسی کو نہوئی کہ آں حضرت کو تنہا ایک قبیلہ کا کوئی شخص قتل کرڈالے لہذا ضرورت ہوئی کہ تمامی عرب کی مجموعی قوت آپکا خاتمہ کرے۔ تو اگر یہ صحابہ جو مختلف قبائل قریش سے تھے حضرت

کا ساتھ دیتے تو ناممکن تھا کہ ان قبایل کے مقابلہ میں بقیہ کفار قریش کھڑے ہوجاتے تیسرا موقع وہ ہے کہ سنہ ۱۰ بعثت میں جب حضرت کو کفار کی ان ایذاؤں سے بوجہ اوس معجزہ کے رہائی ہوئی جو خدا نے اوس کاغذ پر دیمک مقرر کیا جو معاہدہ کفار کا خانہ کعبہ میں آویزاں تھا اور حضرت نے اوس واقعہ کی خبر حضرت ابوطالبؑ کو دی تو آپنے خانہ کعبہ میں جاکر اس معجزہ کو بیان کیا وہ کاغذ لایا گیا تو جس طرح حضرت نے خبر دی تھی اوسی کے مطابق پایا جس سے وہ شرمندہ ہوے اور حضرت نے اس قید سے آزادی پائی جسکی مدت تین سال تھی۔

مگر اسکے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے اور جناب ابوطالب نے انتقال کیا جس سے حضرت پر وہ کوہ مصیبت ٹوٹ پڑا کہ العظمۃ للّٰہ جسکو مورخ کامل لکھتا ہے فعظمت المصیبۃ علی رسول اللّٰہ بھلا کھما فقال رسول اللّٰہ ما نالت قریش منی شیئا اکرھہ حتی مات ابوطالبؑ وذلک ان قریشا وصلوا من اذاہ بعد موت ابی طالب الی مالم یکونوا یصلوا الیہ فی حیاتہ حتی ینثر بعضہم التراب علی راسہ وحتی ان بعضہم یطرح علیہ رحم الشاۃ وھو یصلی ص ۳۱

کہ وفات حضرت ابوطالب سے مصیبت رسول بڑھ گئی چنانچہ خود حضرت فرماتے ہیں جب تک ابوطالب زندہ رہے قریش کو اسکی جرات نہ ہوئی کہ کوئی ایسا کام کرتے جو ہمکو مکروہ معلوم ہوتا حضرت ابوطالب کے بعد اسدرجہ بڑھ گئی کہ حضرت کے سر پر کوڑا کرکٹ ڈالدیتے اور بکری کی بچہ دانی حضرت پر حالت نماز میں گراتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کفار قریش باوصفیکہ انتہا درجہ سے حضرت کے دشمن تھے کیونکہ مذہبی مخالفت تھی مگر اس سے زیادہ ایذا نہ دیسکے واے بر حال اون مدعیان اسلام کے جنھوں نے امام حسینؑ کے ساتھ وہ سلوک کیا جو آجتک یادگار ہے۔

بہرحال اسکے بعد حضرت نے مکہ چھوڑ کر طائف کی راہ لی اور صرف زید بن حارثہ آپکے ساتھ تھے جو حضرت خدیجہ کے غلام تھے اور آنحضرت نے آزاد کردیا تھا اور

کوئی صحابی آپکے ساتھ نہوا حالانکہ ابوبکر، عمر سب موجود تھے جو حسب بیان اہل سنت باثر اور ذی وجاہت تھے۔ جس سے ہر شخص خیال کرسکتا ہے کہ اگر یہ لوگ حضرت کے ہمسفر ہوتے تو حضرت طائف سے اوس ناکامیابی کے ساتھ نہ واپس آتے جسکا حضرت کو سامنا پڑا۔

یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب امیرؑ کیوں نہ ساتھ گئے تو اوسکا جواب یہ ہے کہ جناب امیرؑ تو پروردہ رسول اللہؐ تھے کوئی خاص اثر نہیں رکھتے تھے۔ پھر ایسے پرآشوب زمانہ میں کب ممکن تھا کہ رسول اللہؐ گھر کو تنہا چھوڑ جائیں۔ یہاں تو ضرورت اسکی تھی کہ کچھ بزرگان قریش سے ساتھ ہوتے جو اسلام لاچکے تھے اور اون کا اثر عرب میں تھا۔ مگر ہائے کوئی ان میں سے ساتھ نہ گیا۔

یہاں اصحاب امام حسینؑ کی حالت پر غور فرمایئے کہ اونھوں نے کس وفاداری اور جاں نثاری سے کام لیا کہ ہر شخص امام حسینؑ پر فدا تھا اور مرتے دم تک اوسی ثبات قدم کو نباہ دیا۔

حضرت اس سفر میں ایک ماہ سے زیادہ مقیم طائف رہے بلکہ صرف قبیلہ ثقیف میں کامل ایک ماہ رہے مگر بجز زید بن حارثہ غلام آزاد کردہ۔ ان بزرگان صحابہ سے کوئی نہ رہا۔ وہاں آپکو اسقدر اذیت پہونچی کہ لڑکے اور غلام اونکے پتھر مارتے گالیاں دیتے اور حضرت کے پیچھے لگے رہتے سر کو زخمی کرتے یہانتک کہ آپ زخمی ہوکر گر پڑتے تو وہی لڑکے ہاتھ پکڑکر اوٹھاتے پھر پتھر مارتے اور ازراہ تمسخر ہنسا کرتے

مدارج النبوۃ صد ۶۳

اہل اسلام غور کرسکتے ہیں کہ وہ نامور صحابہ جنکا نام لیکر اہلسنت گردن تفاخر بلند کرتے ہیں اور ایک ایک کو رویں تن۔ رستم و اسفندیار فرماتے ہیں۔ وہ کہاں تھے جو حضرت کے ساتھ جاتے اور آپکو اس مصیبت سے بچاتے مگر کہاں تھا اون میں نور ایمان اور کہاں تھی محبت وہمدردی اور کہاں تھی ایسی وجاہت و رواداری جو انکے مقابل آتے کیونکہ صحابہ تو وہ جاہتے تھے حضرت دنیا کو مسخر کرکے آئیں تو حصہ بخرا

لگانے کو کھڑے ہو جائیں۔

حضرت جب طائف سے واپس آئے ہیں تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ خدا نے ملک الجبال کو حکم فرمایا ہے کہ اگر آپ فرمائیں تو اس پہاڑ کو جسکے دامن میں مکہ آباد ہے انپر گرا دیں کہ سب ہلاک ہو جائیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ انکے صلب میں جو جو ایسے ہیں کہ وہ عبادت خدا کریں پیدا ہوں اور وہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے والے ہوں صفحہ ۴۲ مدارج النبوۃ جلد اول

یہی باعث تھا کہ جناب امام حسینؑ نے بھی بروز عاشورا نہ امداد ملائکہ قبول کی نہ امداد جنات نہ کسی قسم کی بددعا کی کیونکہ آنکو بعلم امامت معلوم تھا کہ انکی اولاد میں کیسے کیسے مومنین ہیں ورنہ کب ممکن تھا کوئی بھی حضرت کی بددعا سے محفوظ رہتا تاریخ کامل میں ہے۔

وتقدم رجل منہم یقال لہ ابن حوزہ فقال افیکم الحسین فلم یجبہ احد فقالہا ثلاثا فقالوا نعم فما حاجتک قال یا حسین ابشر بالنار قال لہ کذبت بل اقدم علی رب رحیم وشفیع مطاع فمن انت قال ابن حوزہ فرفع الحسین یدہ فقال اللّٰہم حزہ الی النار فغضب ابن حوزہ فاقحم فرسہ فی نہر بینہما فتعلقت قدمہ بالرکاب و جالت بہ الفرس فسقط عنہا فانقطعت فخذہ وساقہ وقدمہ وبقی جنبہ الاٰخر متعلقا بالرکاب یضرب بہ کل حجر و شجر حتی مات وکان مسروق بن وائل الحضرمی قد خرج معہم وقال لعلی اصیب راس الحسین فاصیب بہ منزلۃ عند ابن زیاد فلما رای ما صنع اللّٰہ بابن حوزہ بدعاء الحسین، قال لقد رایت من اہل ہذا البیت شیئا لا اقاتلہم ابدا ص ۲۷ جلد ۴

یعنی ایک شخص ابن حوزہ نامی میدان میں آیا اور تین مرتبہ پکار کر پوچھا کیا تم میں حسینؑ ہیں تیسری مرتبہ جواب ملا کیا چاہتا ہے اوس ملعون نے کہا اے حسینؑ تمکو بشارت ہو

آتش (جہنم) کی حضرت نے فرمایا تو جھوٹا ہے بلکہ ہم رب رحیم اور شفیع مطاع کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ تیرا کیا نام ہے اوسنے کہا ابن حوزہ حضرت نے دونوں ہاتھ بلند کئے اور عرض کیا خداوندا اسکو آگ (جہنم) میں گرا حضرت کا بد دعا کرنا تھا کہ اوس ملعون نے اپنا گھوڑا ایک نہر میں ڈالدیا۔ اس ملعون کا قدم رکاب میں پھنس گیا اور گھوڑا دوڑا اور وہ گرا جس سے ٹانگ اور ران اور قدم اوس کا چور ہوا اور دوسرا پہلو رکاب ہی میں رہا وہ گھوڑا جدھر دوڑتا ہے اوسکا بدن پتھر اور درختوں سے ٹھوکر کھاتا ہے یہانتک کہ مرگیا۔

مسروق بن وائل حضرمی بھی اس امید پر آیا تھا کہ حضرت کا سر ہاتھ لگ جائے اور ابن زیاد کے دربار میں کوئی درجہ حاصل ہو۔ مگر جب یہ دیکھا کہ بد دعائے امام حسینؑ سے ابن حوزہ کا یہ حال ہوا تو پھر گیا اور کہا ہمنے اس اہلبیت کا وہ معجزہ دیکھا ہے کہ اب کبھی ان سے جنگ نہ کرینگے۔

غرض جو طریقہ رسول اللہ کا تھا کہ حضرت نے بد دعا کر کے کسی کو ہلاک نہ کیا۔ وہی طریقہ جناب امام حسینؑ کا تھا کہ آپنے اس قوم پر دعا نہ کی ورنہ کسکی مجال تھی کہ تاب لاسکتا۔

ہر حال چونکہ یہاں مقصود موازنہ اصحاب رسول و اصحاب امام ہے۔ اسلئے اس دائرہ سے نکلنا چاہیئے۔ اس سفر میں حضرت ایک باغ میں پہونچے جو عتبہ اور شیبہ کا باغ تھا اون کو حضرت کی اس خستہ حالی پر کچھ رحم آیا اور ایک خوشہ انگور اپنے غلام عداس نامی نصرانی کے ہاتھ بھیجا جسے حضرت نے تناول فرمایا اور وہ غلام مسلمان ہوا۔

مگر واقعہ کربلا میں کوئی ایسا مسلمان بھی نہ تھا جو عتبہ اور شیبہ کے برابر بھی رحم کرتا (یہ دونوں کافر تھے جو جنگ بدر میں واصل بجہنم ہوئے) اور حضرت کو یا آپکے اہلبیت طاہرین کو ایک قطرہ آب دیتا۔

مگر عداس نصرانی کا ہمسر لشکر یزید میں بھی ایک شخص تھا جسکا نام حر بن یزید ریاحی تھا جو اوس وقت میں حضرت کی امداد کو نکلا ہے جب معرکہ کارزار گرم تھا اور طرفین کے بہت سے لوگ قتل ہو چکے تھے۔

چوتھا موقع وہ ہے کہ جب حضرت اواخر سنہ میں طائف سے واپس آئے تو دو سال تک بلکہ کچھ زیادہ مکہ میں رہے اور ہر قبیلہ سے طالب نصرت و امداد ہوئے مگر کسی نے مدد نہ کی یہانتک کہ سنہ ۱۱ میں چھ آدمی قبیلہ خزرج سے آئے جو اہل مدینہ تھے اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور انہیں چھ آدمیوں کی بدولت اسلام نے مدینہ میں رواج پایا جس پر حضرت سنہ ۱۳ میں روانہ مدینہ منورہ ہوئے جسکو ہجرت کہتے ہیں اور اوس کا واقعہ مومنین کو معلوم ہے۔

اب کیا تھا صحابہ کو ٹھکانہ ملگیا اور جوق جوق وہ لوگ مکہ سے مدینہ جانے لگے کوئی مخفی جاتا کوئی ظاہر۔ مگر حضرت عمر کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ مردانہ وار نکلے کیونکہ ستر آدمی اونکے ہمراہ تھے اور ابوجہل ان کا ماموں تھا جو مکہ کا سردار مانا جاتا۔

حضرت کے ساتھ اب کوئی نہیں مدارج النبوۃ میں ہے واز صحابہ غیر ابی بکر و علی مرتضی رض در مکہ با آنحضرت نماند صلعم

اب یہاں قدرتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عشق رسول اللہ صلعم کا یہی اقتضا ہے کہ سب آپکو تنہا چھوڑ کر مدینہ چلے گئے اور کسی کو اسکا خیال نہوا کہ رسول اللہ صلعم تنہا ہیں حالانکہ کفار کی عداوت اور اونکی سختی و شدت سبکو معلوم تھی کہ رسول اللہ کس ایذا اور تکلیف میں بسر کرتے تھے تنہا راہ چلنا دشوار تھا پھر تنہا چھوڑکر چلا جانا کس قسم کی وفاداری میں داخل ہے۔

پانچواں موقع نفس ہجرت کا ہے کہ حضرت کو ان صحابہ سے کوئی ایسا رازدار بھی نہ ملا جسے اس حکم کو جو بوقت شب نازل ہوا تھا کہ تم اپنے بھائی علی بن ابی طالب کو اپنی سبز چادر اوڑھا کر اپنی جگہ پر سولا کر چلے جاؤ۔ جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت پر کیا گذری ہوگی کہ خود تو جا رہے ہیں اور اپنے نفس بلکہ عزیز از جان کو اس تہلکہ میں ڈالے جا رہے ہے۔

خداوند عالم نے جناب امیر کے اس ایثار کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے جیسا کہ مدارج النبوۃ میں ہے صفحہ

پس خواب کرد علی مرتضیٰ در جائے خواب آنحضرت و پوشید خود را برد خاص آنحضرت کہ آنرا پوشیدہ بخواب رفتی پس بود رضی اللہ عنہ نخستین کسیکہ فروخت و فدا کرد نفس خود را در راہ محبت رسول خدا و گویند کہ کریمہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد در شان وی نازل شد و درین باب شعری نیز از وی رضی اللہ عنہ نقل میکنند کہ فرمود

؎ وقیت بنفسی خیر من وطی الثری ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر

خاف رسول اللہ ان یمکروا بہ فنجاہ ذوالطول الالٰہ من المکر

در مواہب لدنیہ ہمیں دو بیت ذکر کردہ و در روضۃ الاحباب دو بیت دیگر بر آوردہ

وبات رسول اللہ فی الغار امنا موقی فی حفظ اللہ وفی ستر

وبت اراعیہم وما یتہموننی فقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

کہ جب حضرت کے فرش خواب پر جناب امیر وہی چادر اوڑھکر سوئے ہیں تو یہ آیہ نازل ہوا کہ بعض آدمیوں سے وہ ہے جو بیچ ڈالتا ہے اپنے نفس کو مرضی خدا حاصل کرنے کیلئے اور خدا رؤف ہے بندوں پر اور خود جناب امیر اپنی حالت کو ان اشعار میں بیان فرماتے ہیں کہ ہمنے اپنی جان کو بہترین خلق پر فدا کر دیا۔ رسول اللہ کو اسکا خوف تھا کہ کفار مکر کرینگے۔ خدا نے اونکے مکر سے نجات دی۔ رسول اللہ تو غار میں آرام سے سوئے اور ہم انکے پہرے میں تھے اور اپنی نفس کو آمادہ کر لیا تھا قتل پر اور اسیری پر۔

تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے صفحہ ۲۸۳ جلد ۲

ویروی انہ لما نام علی فراشہ قام جبرئیل عند راسہ ومیکائیل عند رجلیہ وجبرئیل ینادی بخ بخ من مثلک یا ابن ابی طالب یباہی اللہ بک الملائکۃ ونزلت۔ جب حضرت کے فرش خواب پر جناب امیر سوئے ہیں تو جبرئیل سرہانے کھڑے تھے اور میکائیل پیر کی طرف جبرئیل آواز دیتے تھے کون ہے مثل تیرا اے پسر ابو طالب کہ خدا تمھاری وجہ سے ملئکہ پر مباہات کرتا ہے اور یہ آیہ نازل ہوا۔

اسکے مقابلہ میں خداوند عالم تمامی صحابہ مہاجرین کی شکایت بھی فرماتا ہے سورہ توبہ میں ہے۔

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ہی العلیا واللہ عزیز حکیم۔

اگر تم نے پیغمبر کی مدد نہ کی (تو کیا ہوا) خدا نے تو اونکی نصرت کی جسوقت نکال دیا اون کو کافروں نے وہ دو کا دوسرا تھا جبکہ دونوں غار میں تھے اور اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ غم نہ کھا خدا ہمارے ساتھ ہے پس اوس نے سکینہ نازل کیا اوپر اوسکے اور اوسکی مدد کی خدا نے ایسے لشکروں سے جسکو تم نے نہ دیکھا اور کافروں کے کلمہ کو پست کیا۔ اور خدا کا کلمہ وہی بلند ہے اور اللہ عزیز و حکیم ہے۔

اس آیہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدا ان تمامی صحابہ کی شکایت کرتا ہے جو آپکا ساتھ چھوڑکر چلے گئے تھے اور کسی نے اونکی مدد نہ کی۔ اب یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر تو ساتھ تھے پھر اونکی شکایت کیوں ہے تو جواب وسکا یہ ہے کہ اون کی رفاقت حضرت کے حکم سے نہ تھی اور نہ حضرت نے ساتھ لیا۔ بلکہ وہ خلاف حکم از خود آئے تھے جس سے حضرت کو شبہہ ہوا کہ کوئی کافر تعاقب میں آرہا ہے۔ اسی لئے خدا نے اس رفاقت کو حکم نصرت سے خارج کیا کیونکہ وہ تو اور عذاب جان ہو گئے تھے ؎

ترا اژدہا گر بود یار غار　　　　از آں بہ کہ جاہل بود غمگسار

خداوند عالم ان صحابہ کی ان بیوفائیوں اور غداریوں سے اسقدر غضبناک ہے کہ فرماتا ہے الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا واللہ علی کل شیء قدیر۔ اگر تم جہاد کیلئے نہ نکلوگے تو خدا تم پر سخت عذاب نازل کریگا اور تمہارے بدلے دوسری قوم کو لائیگا پھر تم خدا کو کچھ ضرر نہ پہونچا سکوگے اور وہ ہر شی پر قادر ہے۔

یہ تمام سورہ مذمت صحابہ سے بھرا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ان کی بیوفائیوں اور غداریوں سے اسقدر ناراض ہے کہ وہ مختلف عنوان سے انکی مذمت

کر رہا ہے چنانچہ ایک آیہ یہ ہے یا ایھا الذین اٰمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل ۔ اے مومنو کیا ہو گیا ہے تمکو کہ جب کہا جاتا ہے جہاد کیلئے کوچ کرو تو تم زمین پر بوجھل ہو کر گرے جاتے ہو ۔ کیا راضی ہو گئے ہو حیات دنیا پر حالانکہ زندگانی دنیا کے فوائد تو آخرۃ میں بہت کم ہے ۔

کیا غضب ہے رسو لخدا کی رفاقت ترک کر کے مدینہ کی طرف تو اس تیزی سے کوچ کیا اور جب جہاد میں جانے کو کہا جاتا ہے تو اس طرح سستی کے ڈھیر ہوئے جاتے ہیں ۔

یہاں اصحاب امام حسینؑ کی رفاقت اور جاں نثاری کو خیال فرمایئے کہ باوصفیکہ امام خود اونکو اجازت دیتے ہیں کہ ہمکو چھوڑ کر چلے جاؤ تم سے انکو کوئی غرض اور مطلب نہیں اونکو بھی بخوبی معلوم ہے کہ حضرت کی رفاقت میں بجز ایذا و تکلیف اور شہادت پانیکے کچھ نہیں مگر وہ کیسے وفادار اور جاں نثار تھے کہ ایک منٹ کیلئے بھی امام سے علحدگی کو جائز نہ رکھا ۔

یہی وجہ ہے کہ جناب امام حسینؑ اپنے خطبہ شب عاشور میں فرماتے ہیں اللھم انک تعلم انی لا اعلم اصحابا خیرا من اصحابی ولا اھل بیت خیر من اھلبیتی فجزاکم اللہ خیرا فقد ابررتم وعاونتم والقوم لا یریدون غیری ولو قتلونی لم یتبعوا غیری احدا فاذا اجنکم اللیل فتفرقوا فی سوادہ وانجوا بانفسکم صفحہ ۴۵ مقاتل الطالبین ۔

کہ خداوندا تو خوب جانتا ہے کہ ہم کسی کے اصحاب کو اپنے اصحاب سے بہتر نہیں جانتے ۔ اور نہ اپنے اہلبیت سے کسی کے اہلبیت کو ۔ خدا تمکو جزائے خیر دے کہ تم لوگ ہمارے ساتھ گھر سے نکلے اور تمنے ہماری اعانت کی حالانکہ یہ قوم سوائے ہمارے کسی دوسرے کو نہیں چاہتی ۔ اور اگر یہ ہمکو قتل کر لینگے تو پھر کسی دوسرے سے مطلب نہوگا دیکھو جب تاریکی بڑھ جائے تو تم پردہ شب میں متفرق ہو جاؤ اور اپنی جانوں کو بچا لو ۔

ان صحابہ نے جو جواب دیا اوسکے بیان کی تو ضرورت نہیں کیونکہ اونھوں نے دکھا دیا ۔

حضرت کا قول کیسا صادق ہے اور ہم کیسے اصحاب ہیں کہ جب سے دنیا قائم ہے کوئی ہمارا مثل و نظیر نہیں ۔

یہ چند واقعات صحابہ رسول کے ہیں جو قبل ہجرت کے ہیں جس سے ان مہاجرین کی وفاداری بدیہی طور پر نمایاں ہے آیندہ انشاء اللہ وہ واقعات بھی دکھلائے جائینگے جو بعد ہجرت کے ہیں مگر آیندہ محرم ہیں ۔

عفیف بن عبد اللہ ازدی

نور العین فی مقتل الحسین و دیگر کتب مقاتل میں ہے کہ جب اہلبیت رسول کا داخلہ دار الامارہ کوفہ میں ہو چکا تو ابن زیاد شقی نے مسجد جامع میں منبر پر جا کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ شکر خدا کرتا ہوں کہ جسنے حق کو ظاہر کیا اور اہل حق کو غالب اور امیر الفاسقین یزید یزید کی نصرت کی بعد اسکے جو کلمات شان امیر المومنین و جناب امام حسن و امام حسینؑ مظلوم میں کہے اوسکے لکھنے کی جرات نہیں ہے مگر جواب سے عبد اللہ بن عفیف رحمۃ اللہ کی ظاہر ہو جاویگا ۔ بمجرد سماعت اون کلمات نازیبا کے عبد اللہ بن عفیف ازدی کہ ارکان شیعہ اور زہاد و عباد سے تھے چشم چپ اونکی جنگ جمل میں اور داہنی آنکھ جنگ صفین میں جاتی رہی تھی گوشہ جامع مسجد کوفہ سے بیتاب ہو کر اوٹھے اور بولے وہ بے مثل جملیوں ہیں جنہیں کہہ لکھے + مجلس میں تو اونھیں سر منبر ادا کیے ۔

اسکت ایھا اللعین ابن اللعین اما کفاک ما صنعت بالحسینؑ حتی تقوم مقام الصالحین وتسب اولاد النبیین ۔

ابن زیاد غصہ میں آیا اور پوچھا کسنے یہ بات کہی ہے ابن عفیف نے جواب دیا میں نے کہا ہے اے دشمن خدا تو ذریت طاہرہ کو جنہیں خدا تعالیٰ نے ہر رجس سے پاک کیا ہے نسبت کذب و دروغ کرتا ہے اور پھر اونکے قتل پر جسارت کی ہے اور پھر اپنے کو مسلمان جانتا ہے واغوثاہ کہاں ہیں اولاد مہاجرین و انصار کہ اس ملعون سے اور

یزید طاغی باغی۔ سے انتقام لیویں ابن زیاد زیادہ تر خشمناک ہوا اور حکم کیا پکڑ لاؤ غلامان ابن زیاد نے ہر طرف سے ہجوم کیا کہ عبداللہ کو گرفتار کریں اشراف ازدی و بنی اعمام اوسکے اوٹھے اور غلامان ابن زیاد سے چھوڑا کر مسجد سے باہر لیجا کر اونکے گھر پر پہونچا دیا۔ مسجد سے اپنے گھر پہ سعید ازل گیا۔ بت رہ گیا خلیل حرم سے نکل گیا۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ عبداللہ کو گھر سے پکڑ لاؤ ملازمان ابن زیاد اونکے گھر پر آئے کہ ابن عفیف کو پکڑ لیجائیں طائفہ ازد کو خبر پہونچی جمعیت کی اور قبائل یمن بھی متفق ہوے کہ گرفتار نہونے دیں عبداللہ جیسے عاشق امام تھے وہ ابن عفیف شاد تھے اس واردات میں دنا علی زبان پہ تھی تسبیح ہاتھ میں۔

جب ابن زیاد کو خبر پہونچی قبائل مضر وغیرہ ہمراہ محمد بن اشعث امداد کو بھیجے جنگ عظیم دروازہ پر عبداللہ کے واقع ہوئی طرفین سے بہت سے لوگ مارے گئے ملازمان ابن زیاد بسبب کثرت غالب آئے اور عبداللہ کے گھر میں داخل ہوے اور ہجوم کیا دختر عبداللہ نے کہا اے پدر ابن زیاد کی فوج دروازہ توڑ کر گھس آئی عبداللہ نے کہا ؎

مجھے ہر چند بینائی نہیں ہے　　بدن میں بھی توانائی نہیں ہے
لڑوں گا ان ستمگاروں سے تنہا　　رہیگا تا قیامت ذکر اس کا

اے دختر میری شمشیر اوٹھا دے اوسنے تلوار دی جس طرف سے وہ اشقیا آتے وہ لڑکی بتلاتی تھی کہ ادھر سے آتے ہیں عبداللہ اوس طرف حملہ کرتے اور وہ دختر فریاد کرتی تھی ؎
کسکو بلاؤں بجز خدا آہ کیا کروں عبداللہ اپنی دختر کو تشفی دیتے تھے کہ اے بیٹی پریشان نہو خدا کی سپرد کرتا ہوں ہر بشر کا خبرگیراں وہی خالق ہے۔ الغرض بہت سے اعدائے دین کو عبداللہ ابن عفیف نے واصل جہنم کیا اور بعض کتب مقاتل میں ہے ؎

غرض ہشتاد کس کو اوسنے مارا　　ہوا تیروں سے یہ بھی پارہ پارہ

عجب جوش میں اشعار رجز مطابق دستور عرب پڑھتے تھے جسکے لفظ لفظ سے جرأت و ہمت پیدا تھی ؎

انا ابن ذی الفضل العفیف الطاہر　　عفیف شیخی وابن ام عامر

کو دارع من جمعکم وحاسر　　　　وبطل جدلتہ مغادر

روضۃ المجاہدین مختار نامہ میں ہے کہ سن مبارک عبداللہ کا سو سال کا تھا مگر سبحان اللہ جوانوں سے بڑھکر داد شجاعت دیکر رہے تھے بزبان حال کہتے تھے ؎

روز جنگ است جنگ باید کرد　　　　کوشش نام و ننگ باید کرد

جنگ با این سگان روبہ باز　　　　ہمچو شیر و پلنگ باید کرد

جبکہ عبداللہ ابن عفیف گرفتار ہو کر روبرو ابن زیاد کے آئے اوسنے دیکھا کہ اکرم و متبرک نورانی شکل پارچہ صوف پہنے ہوئے اور عمامہ خز سفید کا سر پر اور ریش سفید ناف تک مصحف حمائل کئے ہوئے عصائے چوب خرما لئے ہوئے ہاتھ میں جس پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ۔

اوس شقی نے کہا شکر خدا کا جس نے تجھکو مخذول کیا عبداللہ نے کہا اے دشمن خدا میں کس وجہ سے مخذول ہوا اگر میری آنکھیں ہوتیں تجھے دکھا دیتا ابن زیاد نے کہا الحمد للہ الذی اعمی عینیک قال عبداللہ الحمد للہ الذی فتح عینیک و اعمی قلبک شکر ہے اوس خدا کا جسنے تجھے نابینا کیا عبداللہ نے جواب دیا کہ لائق حمد و ثنا ہے وہ خداوند جلیل کہ جسنے تیری آنکھیں بظاہر روشن اور بینا کیں اور دل تیرا سیاہ اور نابینا کیا پھر ابن زیاد نے پوچھا در بارہ عثمان کیا کہتا ہے تو عبداللہ نے کہا اے ولد الزنا تجھکو کیا علاقہ اس بات کے پوچھنے سے اگر چاہتا ہے احوال اپنا اور اپنی مادر و پدر کا اور یزید اور یزید کی ماں کا حال دریافت کر ابن زیاد نے کہا قسم خدا کی میں تجھسے کچھ نہیں پوچھتا مگر یہ کہ تجھے قتل کروں گا۔

عبداللہ نے کہا میں ہمیشہ خدا سے دعا کرتا تھا اور اسی آرزو میں عمر میری بسر ہوتی تھی قبل اسکے کہ تو شکم نجس سے اپنی ماں کے پیدا ہو اور عالم کو اپنے وجود نجس سے آلودہ کرے کہ خدا تعالی مجھکو شہادت نصیب کرے اور بدترین خلق خدا کے ہاتھ سے مارا جاؤں لیکن جب میری آنکھیں جاتی رہیں اور نابینا ہوا سمجھا کہ یہ سعادت مجھے نصیب نہوگی شکر خدا کرتا ہوں میں کہ بعد یاس کے مجھے کامیاب کرتا ہے الحمد للہ کہ دعا میری مستجاب ہوئی۔

یہ سنکر ابن زیاد غضبناک ہوا اور گفتگو موقوف کی اور حکم دیا کہ زبان انکی پس گردن سے کھینچی جائے چنانچہ موافق حکم اوس ملعون کے جلادنے زبان اوس سعادتمند کی گدی سے کھینچ لی اور ایک رسی اوس دیندار کی پاؤں میں باندہ کر تمام کوچہ ہاے کوفہ میں پھرایا اور جب جلاد قتل سے فارغ ہوا اوسی وقت دونوں ہاتھ اوس شقی کے شل ہو گئے اور دونوں پاؤں خشک ہو گئے اور آنکھیں کور ہو گئیں اور زبان بند ہو گئی اور مدت دراز تک وہ لعین اسی عذاب میں مبتلا رہا اور بعد اسکے داخل جہنم ہوا۔

راقم خادم المرتضیٰ سید احمد حسین ساکن کجھوا

اڈیٹر انجم کی دوسری بولی

جس طرح مینڈک سانپ کے نگلنے پر کچھ نہ کچھ آواز دیتا ہے اوسی طرح اڈیٹر انجم بھی کچھ نہ کچھ بول جاتے ہیں چنانچہ انجم ماہ جمادی الاولی ۹ مورخہ ۲۷ ذیحجہ میں اپنے بڑے بھائی مولوی ثناء اللہ صاحب کی حمایت میں جو مناظرہ جبلپور میں انکو شکست ہوئی ایک دو صفحہ کا مضمون لکھتے ہیں جس میں ایک فقرہ یہ ہے "ابن علقمی شیعہ کا واقعہ خونی حروف میں صفحہ ہستی پر تاقیامت لکھا رہیگا"

یہ ایک قدیم اعتراض ہے اون جہال کا جو تعصب کی آگ بھڑکاتے ہیں اور شیعہ و سنی میں جنگ کرانا چاہتے ہیں کہ ابن علقمی وزیر کی سازش سے خلیفہ بغداد ہلاک کیا گیا حالانکہ اسکا جواب تفصیلی اس رسالہ اصلاح میں نکل چکا ہے جسکا نام الخصوص تھا ملاحظہ ہو اصلاح ۸ جلد ۱۴۔

مگر ہم اونکے رونے کو ایک دوسرا خونی واقعہ یاد دلاتے ہیں جسکو مولوی ابو الکلام صاحب آزاد کلکتہ اپنے تازہ رسالہ البلاغ ۲ میں لکھا ہے جو حسب ذیل ہے۔

وهذا الشافعی یغری التاتار بالحنفیة وهذا حنفی یقیس الشافعیة علی الذمیة وهولاء یقلده الخلف یحادون من لیس بظلام للعبید ص

پھر لکھتے ہیں ومن اعرف فلتجدان العدوان بین الشافعیة والحنفیة کان من اسباب حملة التتار علی المسلمین تلك الحملة التی کانت اول صدمة مست بناء قوة المسلمین بعد عالمو یلتئم من بعده

ویعد کما کان ذلک بما قدمت ایدیهم وان لیس بظلام للعبید

ص ۳۰

کہ یہ شافعی ہے جو تاتاریوں کو حنفیوں کی طرف بلاتا ہے اور یہ حنفی ہے جو شافعیوں کو مثل اہل ذمہ قرار دیتا ہے یہ سب خلف بے مقتدا ہیں جو طریقہ سلف کے خلاف ہیں۔ پھر لکھتے ہیں اور سب سے بڑھکر غریب یہ ہے کہ شافعی اور حنفی کی عداوت منجملہ اسباب حملۂ تاتار تھا مسلمین پر۔ یہ وہ صدمہ تھا جو آجتک زائل نہوا۔

کیا غضب ہے کہ مورخین اہلسنت تو اس تباہی بغداد کا الزام شافعیوں پر دھریں جنکے ساتھ کفار اہل ذمہ کا برتاؤ ہو رہا تھا اور اونھوں نے تاتاریوں کو اوبھار کر بغداد پر حملہ کرایا۔ اور الحیٹر النجم یہ الزام ابن علقمی وزیر پر دیں حالانکہ اصلی مجرم یہاں دوانداری ہے جو سنی تھا ملاحظہ ہو اصلاح ۹۰ جلد ۱۴

رہا ابن تیمیہ کا قول جو آپنے نقل کیا ہو وبالجملۃ فما یا ہم فی الاسلام کلہا سود لمہم یزالوا موالین لاعداء اللہ ومعادین لاولیاء (کہ شیعہ کا زمانہ اسلام میں بالکل تیرہ و تار رہے وہ ہمیشہ دشمنان خدا کی دوستا اور دوستان خدا کے دشمن رہے) پس اگر آپنے جناب امیرؑ اور ائمۂ طاہرین کا دشمن خدا ہونا ثابت کرلیا ہے اور نیز حضرت ابوذر وسلمان وعمار وحذیفہ ایسے صحابہ کا دشمن ہونا یا خلفائے ثلثہ اور معویہ ویزید کا دوست خدا ہونا ثابت کیا ہے تو بیشک یہ قول اون کا صحیح ہو سکتا ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ ابن تیمیہ خود منافق تھا علامہ ابن حجر عسقلانی درر کامنہ میں لکھتے ہیں۔

وافترق الناس فیہ شعبا فمنہم من نسبہ الی التجسیم + ومنہم من ینسبہ الی الزندقۃ بقولہ ان النبیؐ لایستغاث بہ وان فی ذلک تنقیصا ومنعا من تعظیم رسول اللہ + x ومنہم من ینسبہ الی النفاق بقولہ فی علیؑ ما تقدم وبقولہ انہ کان مخذولا حیثما توجہ وانہ حاول الخلافۃ مرارا فلم ینلہا وانما قاتل للریاسۃ لا للدیانۃ۔ وبقولہ انہ کان یحب الریاسۃ وان عثمان کان یحب المال x x ونسبہ قوم الی انہ یسعی فی الامامۃ الکبری فانہ

كان يلهج بذكرا بن تومرت ويطريه فكان ذالك مولدا لطول سجنه وله وقايع شهيرة وكان اذا حوقق والزم يقول لم ارد هذا انما اردت كذا فيذكر احتمالا بعيدا كما في الاستقصاء صفحہ ۱۳۷

ابن تیمیہ کے بارہ میں علما کا اختلاف کہ آیا وہ مجسم سے تھا قائل جسمیت خداوند عالم جیسا کہ اوسنے عقیدہ حمویہ وواسطیہ میں لکھا ہے یا وہ زندیق تھا کیونکہ کہتا تھا رسول اللہ سے استغاثہ جائز نہیں اس میں حضرت کی توہین ہوتی ہے + یا وہ منافق تھا کیونکہ جناب امیرؑ کے بارہ میں وہ بہت دریدہ دہنی کرتا اور کہتا کہ حضرت علی نے چند بار خلافت چاہی تھی اور نہ ملی اور جس امر کا قصد کرتے محروم رہتے اور اون کا جہاد بغرض حب ریاست تھا نہ بغرض دیانت۔ اور عثمان محب مال تھے + اور بعض کا خیال ہے کہ وہ خود طالب امامت تھا کیونکہ وہ اکثر تذکرہ ابن تومرت کرتا تھا (جو بلاد مغربیہ میں خلیفہ بنا) اسی وجہ سے اوس کا قید طولانی ہوا اسکے واقعات بہت مشہور ہیں جب کسی امر کا الزام اوسپر دیا جاتا تو وہ کہتا ہمارا یہ مطلب نہ تھا اور بعید تاویلیں کرتا۔

اگر ابن حجر کو آپ نہ مانئے اس وجہ سے کہ وہ شافعی تھے اور محدث تو اپنے جد امجد مولوی عبد الحلیم صاحب فرنگی محل لکھنوکی حل المعاقد دیکھئے جس میں وہ لکھتے ہیں صفحہ ۸

كان تقى الدين ابن تيمية حنبليا لكنه تجاوز عن الحد وحاول اثبات ما ينافى عظمة الحق تع وجلاله فاثبت له الجهة والجسم وله هفوات أخر كما انه يقول ان امير المومنين سيدنا عثمان رضى الله عنه كان يحب المال وان امير المومنين سيدنا على رضى الله عنه ما صح ايمانه فانه امن فى حال صباه وتفوه فى حق اهل بيت النبى صلى الله عليه وعليهم مالا يتفوه به المومن المحق وقد ورد الاحاديث الصحاح فى مناقبهم فى الصحاح وانعقد مجلس فى قلعة جبل وحضر العلماء الاعلام والفقهاء العظام وتكلم كان قاضى القضاة زين الدين المالكى وحضر ابن تيمية فبعد القيل والقال بهت ابن تيمية وحكم قاضى القضاة بحبسه وكان ذلك سنة سبع

مائۃ وخمس من الہجرۃ ثم نودی بدمشق وغیرہ من کان علی عقیدۃ ابن تیمیہ حل مالہ ودمہ کذا فی مرءۃ الجنان للامام ابی محمد عبداللہ الیافعی ثم تاب وتخلص من السجن سنۃ سبع مائۃ وسبع من الہجرۃ و قال انی اشعری ثم نکث عہدہ واظہر مکنونہ ومرموزہ فحبس حبسا شدیدا مرۃ ثانیۃ ثم تاب وتخلص من السجن واقام فی الشام ولہ ہناک واقعات کتبت فی کتب التواریخ وردا قاویلہ وبین احوالہ الشیخ ابن حجر فی المجلد الاول من الدرر الکامنۃ والذہبی فی تاریخہ وغیرہما من المحققین

یعنی ابن تیمیہ حنبلی تھا مگر حد سے بہت بڑھ گیا خدا کیلئے جسم وجہت ثابت کرتا اور اوسکے بہت سے ہفوات ہیں کہ کہتا ہے حضرت عثمان محب مال تھے ۔ اور جناب امیرؑ کا ایمان صحیح نہیں کیونکہ وہ کمسنی میں ایمان لائے تھے اور بچپنے کا ایمان معتبر نہیں اسی طرح حق اہلبیت رسول میں ایسے ایسے کلمات اوسنے کہے کہ کوئی مومن محق اوسکا قائل نہیں ہو سکتا حالانکہ احادیث صحیحہ کسقدر اون حضرات کے فضائل ومناقب میں وارد ہیں ۔ قلعہ جبل میں ایک مجلس اسکے لیے منعقد ہوئی کہ اسکے عقائد کی تحقیقات کی جائے قاضی القضاۃ زین الدین مالکی سے اوس سے مناظرہ ہوا جسمیں ابن تیمیہ آخر مبہوت ہو کر رہ گیا اور قاضی نے اوسکے قید کا حکم دیا یہ واقعہ ۷۰۵ھ ہجری کا ہے اور تمامی شہر دمشق میں منادی کرائی گئی کہ جو شخص ابن تیمیہ کے عقیدہ پر ہوگا اوسکی جان اور مال حلال ہے ۷۰۷ھ میں اوسنے توبہ کیا پھر اوسنے نکث عہد کیا اور اپنے دلی عقائد کو ظاہر کیا جس سے پھر وہ قید کیا گیا اور دوبارہ توبہ کیا اور ملک شام میں آکر اوسنے قیام کیا اسکے احوال اور ردکو ابن حجر عسقلانی نے درر کامنہ میں اور ذہبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے ۔

پھر حیف ہے کہ اڈیٹر صاحب النجم ایسے شخص کے اقوال ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں حالانکہ وہ اتنا بڑا بے باک لاعنی تھا جسکی کوئی حد نہیں اگر کوئی مددگار اوسکا ہو تو دکھلائے کہ کس موقع پر شیعوں نے کسی کافر سے دوستی کی ہے اور مومن سے عداوت اسکے بعد آپنے ایک واقعہ مناظرہ لکھنؤ کا لکھا ہے مگر چونکہ اوسکا کوئی ثبوت نہیں دیا لہذا ہم اوسکو خارج از بحث سمجھتے

ہیں پھر لکھتے ہیں۔

"اگر ایڈیٹر اصلاح کو پنڈت بھوجدت کی حمایت کا ایسا ہی شوق ہے تو پنڈت بھوجدت کو آمادہ کریں کہ وہ کسی بڑے شہر میں مسلمانوں سے مباحثہ کریں اور فریقین کی تقریریں فی الوقت لکھکر فریقین سے دستخط لی جایا کریں ×× اڈیٹر اصلاح بھی اس مناظرہ میں اپنے بھائی آریوں کی طرف سے شریک ہوں اور دل کھولکر پنڈت جی کی مدد کریں اور دیکھ لیں کہ نتیجہ کیا ہو سکتا ہے"۔

اس تحریر کے جواب میں ہمکو تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اب براہ کرم اپنا انجم ۱۵ و ۱۶ جلد ۱ مورخہ شعبان ۱۳۳۲ھ ملاحظہ فرمایئے۔

اخبار مسافر آگرہ مورخہ ۷ جولائی ۱۹۱۴ء میں پنڈت بھوجدت صاحب نے ایک مضمون انجم کے متعلق لکھا ہے پنڈت صاحب بہت دنوں سے چاہتے ہیں کہ النجم کے مخاطب بنیں لیکن النجم میں کبھی اس طرف التفات نہیں کیا گیا" صفحہ ۲

آخر میں لکھتے ہیں "پھر پنڈت صاحب نے آخر میں ایک کام قابل تعریف کیا ہے کہ لکھتے ہیں کہ مجھے لکھنؤ میں بلا کر مباحثہ کر لیجئے" اس جملہ کو سنکر میں ضرور کہونگا کہ آفرین باد بریں ہمت مردانہ مگر دیکھئے اب کوئی دور از کار شرط وغیرہ لگا کر اپنے دلی دوست کی طرح فرار نہ کیجیگا اچھا میں آپکو اجازت دیتا ہوں جب جی چاہے لکھنؤ آیئے صرف ایک ہفتہ قبل مجھے اطلاع دیجئے گا۔ انشاءاللہ میں آپکی خدمت کیلئے حاضر ہونگا اور پوری طرح آپکا حوصلہ پورا کرونگا" ص ۳

کیوں صاحب اس تحریر کو دو سال کا عرصہ گذرتا ہے پنڈت جی تو کہتے ہیں "مجھے لکھنؤ میں بلا کر مباحثہ کر لیجئے" اور آپ لکھتے ہیں "میں اجازت دیتا ہوں جب جی چاہے لکھنؤ آیئے" کیا یہی طریقہ طلبی مناظرہ ہے وہ تو لکھ چکے "لکھنؤ میں بلا کر مباحثہ کر لیجئے" اسکے جواب میں دن تاریخ مقرر کرنا تھا اور اگر اوس تاریخ کو نہ آتے تو تار دیکر بلانا تھا۔ یا اجازت دینا تھا کہ جب جی چاہے آیئے کیا پیروان خلیفہ دوم کا یہی طریق مناظرہ ہے۔

اڈیٹر صاحب آپکو ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ یاد ہوگا جسمیں نہ معلوم کتنے مراسلات کے بعد آپ لکھنؤ سے راہ بھولکر فیض آباد پہونچے۔ اور میر گنج بھولکر سیوان آئے۔ اور وہاں سے آگے

ایک قدم نہ بڑھایا گیا کچھ کوشش کی گئی کہ آپ اپنے وعدہ گاہ پر آیئے جسکا نو برس سے معاہدہ تھا۔ پھر کیونکر ایسی جرأت کرتے ہیں جو لکھتے ہیں پنڈت صاحب کو آمادہ کیجئے۔ وہ تو بقول خود تین برس سے آمادہ ہیں تاریخ مقرر کر کے بلا بھیجئے غالباً اوس تاریخ کو مولوی ثناء اللہ صاحب بھی پہونچ جاوینگے مگر صرف فیس اونکی تیار رکھئے

تاریخ معین کر کے مجھے بھی اطلاع دیجئے حاضر ہو جاؤنگا۔ مگر ہم تو آپکے اسلاف کے حال سے واقف ہیں جنکا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

ومن یولھم یومئذٍ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃٍ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر۔ سورہ انفال۔

کہ جس شخص نے (اون صحابہ سے) اپنی پیٹھ پھیری مگر یہ کہ لڑائی کیلئے یا اپنے لشکر میں ملنے کیلئے تو وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اوسکا ٹھکانا جہنم میں ہے اور وہ بری جگہ ہے"

فرار ایڈیٹر النجم کی قیمت ۴ر ہے طلب کر کے انکے کارنامہ کو ملاحظہ فرمایئے۔

النجم کا خطاب تازہ

مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہلحدیث کو دعوی اجتہاد ہے جس سے وہ ایک طرف دادی کو حلال کر رہے ہیں۔ دوسری طرف قرآن کی وہ تفسیر کر رہے ہیں کہ سارے قرآن کا انکار ہو۔ مگر یہ جدت نئی ہے کہ آپ خطاب دینے میں بجائے حروف کے اب لفظ استعمال کرتے ہیں چنانچہ ایڈیٹر صاحب النجم کے حق میں یہ شعر لکھتے ہیں ع خوب گذریگی جو مل بیٹھینگے ...... ملاحظہ ہو اہلحدیث ۲۰ مورخہ ۹ صفر

تفصیل اسکی یہ ہے کہ مولوی محمد یوسف فیض آبادی اونکے نامہ نگار لکھتے ہیں "اہل پیکولیا (ضلع بستی) نے مجھکو بغرض وعظ طلب کیا اور میں ۲۵ نومبر ۱۵ء کو پہنچا وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ مواضعات متصلہ کے حنفی بھائیوں نے بحث کیلئے میرے دوست دلی مولوی محمد عبد الشکور صاحب سلمہ اللہ کو بلایا ہے مجھے یہ سنکر ایک قسم کا سرور پیدا ہوا کہ اگر مناظرہ ہوگا تو لطف سے خالی نہوگا ورنہ وہ اگر کسی مدعی مولوی کو بلاتے تو مناظرہ وغیرہ تو درکنار ان غریب حنفیوں کی عقائد خراب ہو جاتے"

یہیں مولوی ثناء اللہ صاحب حاشیہ دیتے ہیں "یہ کیوں نہیں کہتے خوب گذریگی جو..... (ایڈیٹر)

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان نقطوں سے کیسا بے نقط خطاب دیا گیا ہے ہم بھی مبارکباد دیتے ہیں۔

نامہ نگار مذکور لکھتے ہیں مولوی صاحب موضع منجھوا کے رئیس دولتخانہ پر فروکش ہوئے اسکے بعد مناظرہ کی گفتگو آئی ہم نے کہا مناظرہ کوئی بڑی بات نہیں باہم اہلحدیث۔ اہلحدیث بھی کیا کرتے ہیں ہم آپ ویسا ہی مذاکرہ کرینگے مولوی صاحب نے فرمایا بلکہ اسکا نام ملاطفہ اخوانیہ رکھینگے چونکہ فریقین کا بڑھا ہوا جوش مناظرہ پر مجبور کر رہا تھا اسلئے آمادگی ہوئی مگر مولوی صاحب موصوف نے غالبًا بوجہ اپنی عدیم الفرصتی کے تحریر سے انکار کر دیا میں چونکہ جلپور کے مباحثہ سے پورا سبق لے چکا تھا اسلئے تحریر پر زور دیتا رہا پھر سب نے چودہری حسین بخش صاحب کے وسیع دسترخوان مہمان نوازی پر اک جا بیٹھکر کھانا کھایا اور باہمی محبت کے برتاؤ قائم رکھتے ہوئے رخصت ٹھہرے۔ دوسرے دن حکیم صاحب نے اہلحدیث کی طرف سے شرائط مناظرہ لکھکر بھیجے جو افسوس ہے باوجود نہایت معقول ہونیکے منظور نہوئے اور نہ وجہ نامنظوری بتائی گئی کالم ۳ صفحہ ۱۰ اہلحدیث

یہ ہے اڈیٹر صاحب النجم کے مناظرہ کا حال کہ آئے تو اس زور شور سے اور وسیع دسترخوان مہمان نوازی کا مزہ اوڑایا مگر کیا وہی جو سیوان میں ہو چکا تھا کہ ایک روز کیلئے نہ ٹھہرے نہ کجوہ آئے۔ حالانکہ اہلحدیث کی رو میں صدہا رسائل دیکھ چکے تھے جس سے وہ بہت جلد اونکو مغلوب کر لیتے مگر سیرت خلفائے ثلثہ کے تتبع نے ایک دم نہ ٹھہرنے دیا جب ملاطفہ اخوانیہ میں اونکا یہ حال ہوا تو مناظرہ حقانیہ میں کیا ہوتا۔

طرہ تو یہ ہے کہ بحمایت اہلحدیث وہ خود لکھ چکے ہیں "اگر اڈیٹر اصلاح کو پنڈت بھوجدت کی حمایت کا ایسا ہی شوق ہو تو پنڈت بھوجدت کو آمادہ کریں کہ وہ کسی بڑے شہر میں مسلمانوں سے مباحثہ کریں اور فریقین کی تقریر فی الوقت لکھکر فریقین سے دستخطی جایا کریں سعد ۹ مورخہ جمادی الاخری ۳۳ھ

کیوں صاحب ہمسے تو یہ فرمایش کی جائے کہ ایک آریہ کو ہم اسپر آمادہ کریں کہ فریقین کی تقریریں فی الوقت لکھکر فریقین کی دستخطی جایا کرے۔ مگر جب ایک وہابی مولوی آتا ہے اور شرائط

مناظرہ لکھکر پیش کرتا ہو۔ تو آپ تحریر سے انکار کرتے ہیں اور سبکو نامنظور کرتے ہیں اور وجہ نامنظوری بھی نہیں بتاتے۔

اصلاح نمبر ۲ جلد ۷ ۱۳۳۲ھ میں آپنے دیکھا ہوگا کہ عزیزم مولوی حفاظت حسین سلمہ جو ایک طالب العلم مدرسہ حسین آباد میں ان سے مناظرہ کرنے کیلئے گئے ہیں اور دستخطی تحریر اڈیٹر اصلاح لیکئے ہیں اور ان سے صرف اس امر کی خواہش کی ہے کہ اسکی رسید لکھدیجئے تو فرمایا میں کچھ نہ لکھونگا ملاحظہ ہو صفحہ ۲۲ نمبر ۱۲ جلد ۱۰

اسپر آپکو ابتک دعوی مناظرہ ہے خدا رحم کرے۔

اڈیٹر اہلحدیث کی ہار جیت ہم خوش تھے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث نے اپنے حریف منشی قاسم علی صاحب سابق اڈیٹر الحق اور حال اڈیٹر فاروق قادیان سے تین سو روپیہ جیت لیا جسمیں قادیانیوں کو بڑی شکست ملی اور ایک آریہ منصف نے فیصلہ حسب غواہ سنایا جسپر منشی قاسم علی صاحب کو تین سو روپیہ دینا پڑا اور جیسے اڈیٹر صاحب اہلحدیث نے اون کا خطاب ہی سہ صدی مقرر کیا۔

مگر تشحیذ الاذہان نمبر ۸ جلد ۱۰ کے دیکھنے سے افسوس ہوا کہ اوتھوں نے واقعہ حضرت ابوبکر کو اس موقع پر پیش کیا کہ وہ بھی تو تین چار اونٹ کافروں سے ہار چکے ہیں پھر منشی قاسم علی صاحب اگر تین سو روپیہ ہار گئے تو اس سے حقیقت دعوی مولوی ثناء اللہ کہاں ثابت ہوئی صفحہ ۴۴ و ۴۴

افسوس کی وجہ یہ ہے کہ ابتک یہ راز آریوں سے مخفی تھا اور اونکو نہ معلوم تھا کہ اہل اسلام کفار سے ایکدفعہ بازی ہار چکے ہیں جس سے ممکن ہو اونکی شوخی اور بڑھ جاوے۔

دوسری وجہ یہ ہو کہ کہیں ایسا نہو کہ آیندہ کسی موقع پر وہ قصہ عتبہ بن ربیعہ کو پیش کرے کہ اس قسم کی بے ادبی حضرت ابوبکر کے ساتھ بھی ہو چکی ہو ہمارے ساتھ کیا تو کونسی نئی بات ہو۔

افسوس اس شخص نے اسپر نہ خیال کیا کہ حضرت ابوبکر کی شرط بازی رسول اللہ صلعم کے مرضی کے خلاف تھی جسپر حضرت نے ٹوک بھی دیا کہ کیوں مدت زیادہ نہ کی جیسا کہ خود آپنے لکھا ہو صفحہ ۴۴ پھر حیف ہو کہ آپ اوس جاہلانہ کام کو اپنی سند میں لاتے ہیں جس سے رسول اللہ صلعم ناراض تھے وہ بھی بمقابلہ اڈیٹر اہلحدیث جو تین سو روپیہ آپسے وصول کر چکے۔ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید..

مرزائیوں کا ایمان

روز بروز اب اور بھی ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ یہ تو غیر ممکن ہے بعد آنحضرت صلعم کسی کو نبی ماننے کے بعد پھر حضرت پر ایمان قایم رہ سکے۔

مگر تازہ ثبوت سنیئے کہ یہی منشی قاسم علی صاحب اپنے اخبارہ تازہ فاروق کے پہلے نمبر میں ایک قصیدہ بشان خلیفہ دوم میاں محمود احمد صاحب لکھتے ہیں جسکا پہلا شعر یہ ہے ؎

تم فخر رسل ہو سیدنا ؛؛ تم فضل عمر ہو سیدنا

تم مصلح کل ہو سیدنا ؛؛ تم شمس و قمر ہو سیدنا

اب اہل اسلام بجائے خود فیصلہ کر لیں کہ جو شخص مرزا محمود احمد صاحب کو فخر رسل کہتا ہے وہ مسلمان ہے یا کیا۔ حالانکہ ابھی تک ان کا ادعائے نبوت بھی نہیں سنا گیا کہ ایکدم فخر رسل ہوگئے

شیعہ کالج

الحمد للہ کہ اجلاس ہشتم شیعہ کانفرنس منعقدہ الہ آباد کے بعد سے اسکی خبر سنی جا رہی ہے کہ جناب نواب فتح علی خانصاحب بہادر سی آئی اے سکرٹری کانفرنس مقرر ہوئے اور آپکے حسن سے یہ آواز سنائی دیرہی ہے کہ شیعہ کالج کھلے گا حضرات علماء کرام بھی اسمیں کوشاں ہیں چالیس لاکھ سرمایہ کی ضرورت ہو جسمیں بیس لاکھ تو گورنمنٹ سے ملیگا بیس لاکھ کا فراہم کرنا قوم کے ذمہ ہے۔

اگرچہ اس تجویز کو ابھی صرف تین مہینہ ہوئے ہیں جسمیں کسی کامیابی کی امید کرنی خود خلاف قیاس ہے۔ مگر ہم اپنے بزرگ واجب الاحترام جناب مولوی سید وزیر حسن صاحب وکیل ہائیکورٹ رئیس کجھوہ کی توجہ و اہتمام سے قیاس کرتے ہیں کہ دیگر حضرات نے اس سے زیادہ توجہ کی ہو کیونکہ جناب ممدوح بہت ہی کم فرصت رہتے ہیں اسپر بھی ضلع مظفر پور تک دورہ کر چکے کجھوہ۔ حسینگنج میں وعدے لیچکے۔ اب بھیکپور۔ گوپالپور۔ عشری۔ حسینپورہ کے دورہ میں نکلے ہیں اور امید ہے کہ پوری کامیابی ہوگی۔ جناب مولوی سید اظہار حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر اور جناب سید محمد عسکری صاحب مہتمم شیعہ بھی ساتھ گئے ہیں قومی ضرورتیں خود انسان کو مجبور کرتی ہیں کہ ایسی تحریکوں میں دل وجان سے ساعی ہوں۔ چہ جائیکہ اوسپر قومی غیرت مستزاد ہو کہ ہر قوم گو وہ تعداد میں کسیقدر نہ کم ہو۔ ایک کالج ضرور ہے۔ پھر شیعہ قوم کا کالج نہو ناچہ معنی۔ حالانکہ ثروت میں اقتدار و اعتبار میں اگر کسی سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔

ان سب کے علاوہ جب ہمارے علماے دین اسکو ضروری اور لازمی قرار دیتے ہیں تو پھر کسی متنفس کو اس سے اغماض و اعراض کسی طرح مناسب نہیں۔

ایسا کم موقع ملتا ہے کہ ہر طبقہ میں اتحاد و اتفاق ہو مگر یہ شیعہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ اسمیں علما امرا، اوساط ناس غربا سب ہی متفق ہیں۔

جناب مولوی سید سبط حسن صاحب دام فضلہ کیساتھ جو برتاؤ علیگڈھ کالج میں کیا گیا تھا اوسکے بعد سے ہر طبقہ میں ایک خاص اثر پیدا ہوا تھا جسکے نسبت امید ہے کہ وہ جوش کم نہوا ہوگا لہذا اب وقت ہے کہ اوسکو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور شیعیان علی اپنا حوصلہ پورا کرکے دکھادیں کیونکہ ہم سب کے اعمال حضرت حجۃ اللہ علیہم السلام پر عرض ہوتے ہیں لہذا ایسا نہو کہ ہماری کم حوصلگی حضرت پر ظاہر کی جائے۔

قومی ضرورت مولوی عبد المجید صاحب جو پہلے سنی تھے اور چار برس سے ایسے پکے شیعہ ہوئے کہ اونھوں نے بیس پچیس آدمیوں کو شیعہ بنایا وہ ایک امام باڑہ بنوانا چاہتے ہیں جسمیں سات سو روپیہ تو اون غریبوں نے اپنی جائداد فروخت کرکے فراہم کیا باقی پانچ چھ سو روپیہ کیلئے قوم سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر یہ رقم فراہم ہوجائے تو یہ قلعہ شیعوں کا طیار ہوجائے ورنہ اور بھی مخالفین کو طعن و تشنیع کا موقع ملیگا کیونکہ آپ جانتے ہیں اگر ایک شخص بھی شیعہ ہوجاتا ہے تو انکی کیسی مخالفت نمایاں ہوتی ہے حالانکہ اگر کوئی آریہ ہوجائے یا عیسائی تو یہ جوش نہیں ہوتا لہذا جس ہمدرد مذہب کو کچھ مدد کرنی ہو وہ بنام مولوی عبد المجید صاحب دوکان کٹرہ عبد الرحمان صاحب ڈاکخانہ کوٹھا کانتا ضلع پورنیہ روانہ کریں۔

انجمن جعفریہ مندرانوالہ ڈاکخانہ دسکہ ضلع سیالکوٹ سے اللہ جوایا صاحب زمیندار خبر دیتے ہیں کہ میں پہلے سنی تھا ۱۹۱۳ء سے شیعہ ہوا اور ایک قطعہ زمین واسطے امام باڑہ بنانے کے وقف کیا ہے سکرٹری صاحب انجمن جعفریہ نے لئے غربائے مومنین سے اس کار خیر کیلئے فراہم کیا ہے۔ مگر چونکہ انجمن خود غریب و نادار ہے اسلئے اور کچھ نہیں ہوسکتا لہذا اگر برادران ایمانی اس کار خیر میں مدد کریں تو ممکن ہے یہ امام باڑہ طیار ہوجائے جناب چودھری رحمت علیخاں صاحب بلالی سکرٹری انجمن جعفریہ دسکہ ضلع سیالکوٹ کے نام سے چندہ مرحمت ہو۔

مضرایانی ملزمین پھالیہ اصلاح نمبر ۴ جلد ۱۷ میں مناظرہ قادرآباد کا حال لکھا جاچکا جس میں شیعوں کو پوری کامیابی ہوئی تھی اوسکے بعد مخالفین نے شیعوں پر کفر کا فتویٰ لگایا اور عدالت تک نوبت پہونچی جسکا حال اصلاح ۷ جلد ۱۸ میں درج ہے۔

بعض دفعات کے متعلق تو معلوم کیونکر فریقین میں مصالحت ہوگئی جسمیں سادات نے کمال ایثار نفسی کا ثبوت دیا مگر بہت سے دل اس مصالحت سے ناخوش تھے خدا نے اونکی تسکین کیلئے یہ مژدہ سنایا کہ جناب ڈاکٹر سید اکبر علی شاہ صاحب جو اوس مناظرہ میں بھی شریک تھے اور نفس مقدمہ میں بھی بہت ساعی رہے لکھتے ہیں "کہ **محمد علی** سنی نے جو اپنی لڑکی کا عقد بلا طلاق دوسرے شخص سے کر دیا تھا اس بنا پر کہ **امام شاہ** صاحب شوہر اول کو بوجہ تشیع اوسنے مرتد قرار دیا تھا اسمیں دو سو روپیہ جرمانہ اور دو سال قید کا حکم ہوا۔ اور غلام محمد کو جس سے یہ نکاح ہوا تھا دو سال کا قید اور سو روپیہ جرمانہ ہوا۔ ملا صاحب اس وجہ سے بچ گئے کہ اونھوں نے کہا ہمکو پہلے نکاح کا حال معلوم نہ تھا۔ اسی مقدمہ میں پھر گواہان ملزم نے شیعوں کو کافر کہا ہے جنپر زیر دفعہ ۲۹۸ مقدمہ قائم کیا گیا ہے اب مومنین کی امداد کا وقت ہے علاوہ دعا۔

اس مقدمہ میں جناب راجہ محمد مہدی علیخاں صاحب بہادر تعلقدار حسنپور ضلع سلطانپور اودہ نے ماصہ بمد امداد عنایت کیا تھا جسکا شکریہ اصلاح ۵ جلد ۱۸ میں درج ہے اور جناب میر خادم علی شاہ صاحب بی اے ال ال بی پلیڈر منٹگمری نے بڑی جانفشانی کی تھی اب بھی اگر مومنین کو ادہر توجہ ہو تو جناب میر صادق حسین صاحب زمیندار پھالیہ ضلع گجرات کے نام روانہ کریں اور دفتر اصلاح کو مطلع کریں کہ اون کا شکریہ ادا کیا جاوے۔

گذشتہ ماہ گذشتہ نمبر میں وجوہ تاخیر عرض کر چکے ہیں جس سے ابتا تاریخ ۱۵ صفر یہاں سے اون حضرات کے نام روانہ ہوا جنکا چندہ وصول ہوا تھا یا جو ہمیشہ بذریعہ منی آڈر بھیجتے ہیں۔ یا جنھوں نے وی پی کی ممانعت فرمائی تھی مگر جن حضرات کے نام ویلو جاتا تھا اونکے نام سے روانگی میں دس دن کی اور تاخیر